شہر، قریہ، کوچہ، کوئی گھر نہ ان سے بچ سکا
اور اب یہ طائف ہے جہاں آوارہ لڑکے
صدق پیغمبرؐ پہ برساتے ہیں پتھر
پھول سے پیکر پہ برساتے ہیں پتھر دھوپ میں
لوگ پتھر ہوگئے ، پتھر اٹھا کر دھوپ میں
خون میں اپنے نہایا سر سے لے کر پاؤں تک
جل اُٹھا سرخی سے سارا ریت منظر دھوپ میں
بھر گئے نعلینِ گردوں قدر دونوں خون سے
اور کتنے زخم کھائے جسمِ اطہر دھوپ میں
وہ اندھیروں میں اُجالے بانٹنے نکلا مگر
ان اندھیروں نے اٹھا رکھا ہو جو سر دھوپ میں
جب فرشتہ
کوہِ طائف کو ستمگارانِ طائف پر گرانے کے لیے تیار تھا
تو وہ جو تھا آزاد تشکیک و گماں سے، بن گیا
اہلِ طائف کے لیے رحمت کی چادر دھوپ میں
اے کہ جس نے باغِ نخلہ کو بنایا گھر، سلام
باغِ نخلہ کے مسافرؐ پر سلام
ہے اندھیروں میں اُجالا تیرا نام
شہرِ ظلمت میں ہمارے، روشنی کرتا رہے تیرا کلام

خلاصہ : اس نعتیہ نظم میں بتایا گیا ہے کہ رسولِ اکرمؐ اسلام کی تبلیغ کے لیے طائف تشریف لے گئے۔ وہاں کے لوگوں نے آپؐ کی باتیں نہیں سنیں اور انھوں نے آوارہ لڑکوں سے کہا کہ آپؐ کو بستی سے نکال دیں۔ اس وقت سخت دھوپ کا عالم تھا اور ہر طرف گرم ریت پھیلی ہوئی تھی۔ لڑکوں نے آپؐ پر اتنے پتھر برسائے کہ جسم سے بہتا ہوا خون آپؐ کی جوتیوں میں جم گیا۔ طائف سے باہر آپؐ قریب کے ایک باغ میں آرام کرنے کے لیے رُک گئے۔ اس باغ کا نام نخلہ تھا۔ یہاں اللہ کے حکم سے پہاڑوں کے فرشتے نے آپؐ کے سامنے آکر کہا کہ حضور حکم دیں تو طائف کو پہاڑوں کے بیچ دبا دیا جائے۔ رسولِ اکرمؐ نے فرشتے کو ایسا کرنے سے روکا اور اپنے عظیم اخلاق کا مظاہرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ آج یہ لوگ میری بات نہیں مانتے لیکن مجھے یقین ہے کہ ان کی اولاد اللہ پر ایمان لائے گی۔ شاعر نے نظم کی آخری سطروں میں رسولِ اکرمؐ پر سلام بھیجا ہے اور دعا کی ہے کہ آپؐ کے کلام کی روشنی سے سارا عالم جگمگاتا رہے۔

معانی و اشارات

مسموم آندھیاں - زہر بھری آندھیاں مراد سخت پریشانیاں
چراغِ شمس آسا - سورج جیسا روشن چراغ
تشکیک - شک و شبہ
گرداں ہونا - گردش کرنا، گھومنا
علمِ ربانی - اللہ کی طرف سے دیا ہوا علم
صدق پیغمبر - سچائی کے پیغمبر مراد رسولِ اکرمؐ

ریت منظر - منظر جس میں ہر طرف ریت نظر آئے
نعلینِ گردوں قدر - رسولِ اکرمؐ کی آسمان جیسی عظمت رکھنے والی جوتیاں
جسمِ اطہر - (رسولِ اکرمؐ کا) پاک جسم
ستمگارانِ طائف - طائف کے ظالم لوگ

مشقی سرگرمیاں

* نظم کے حوالے سے ذیل کی امتحانی سرگرمیوں کو ہدایات کے مطابق مکمل کیجیے۔

۱۔ نظم کی صنف کا نام لکھیے۔
۲۔ نظم کی ہیئت کا نام لکھیے۔
۳۔ نظم میں آنے والے دو ردیف اور قافیے لکھیے۔
۴۔ نظم کے واقعے کو مختصراً اپنے الفاظ میں بیان کیجیے۔
۵۔ نظم کی تمہید اور اختتام پر اپنی رائے دیجیے۔
۶۔ 'ؐ' اِس نشان سے مراد مکمل فقرہ معنی کے ساتھ لکھیے۔
۷۔ ذیل کی ترکیبیں جن کے لیے استعمال کی گئی ہیں، ان کے نام لکھیے:
چراغِ شمس آسا ، صدق پیغمبر ، پھول سا پیکر
۸۔ 'لوگ پتھر ہو گئے، پتھر اُٹھا کر دھوپ میں'
مصرع کی شعری صنعت کا نام لکھیے۔
۹۔ نظم سے اپنی پسند کے شعر یا مصرعے کی تشریح کر کے پسندیدگی کی وجہ لکھیے۔
۱۰۔ درج ذیل الفاظ میں سے ایسے الفاظ نقل کیجیے جو نظم میں شامل نہیں ہیں:
مسموم، معصوم، کوائف، طائف، تشقیق، تشکیک، نعلین، مابین، پیمبر، پیغمبر
۱۱۔ 'شہرِ ظلمت میں ہمارے، روشنی کرتا رہے تیرا کلام'
مصرع کے خط کشیدہ الفاظ کے مرادی معنی تحریر کیجیے۔
۱۲۔ نظم سے نمایاں ہونے والی آپؐ کی صفت لکھیے۔
۱۳۔ نعت سے واوِ عطف کی مثالیں تلاش کر کے لکھیے۔

صنعتِ تضاد

ذیل کے یہ مصرعے پڑھیے:
'رات اور دن ہیں پروئے ہوئے موتی کی طرح'
'وہ اندھیروں میں اُجالے بانٹنے نکلا مگر'
'عجب ہیں یہ اسرارِ وصل و جدائی'

ان مصرعوں میں 'رات - دن/ اندھیرے - اُجالے/ وصل - جدائی' الفاظ ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ جب مصرعے یا شعر میں ایسے متضاد الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں تو اس صنعت کو '**تضاد**' کہتے ہیں۔

* حمد اور نعت سے تضاد کی دوسری مثالیں تلاش کر کے لکھیے۔

۳۔ زمینِ کرب و بلا

وحید اختر

پہلی بات : تاریخی کتابوں کے مطالعے کے دوران اکثر لڑائیوں اور جنگوں کے حالات ہمارے سامنے آتے ہیں۔ اس وقت ہمارے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ زمانے میں جنگ و جدل کے حالات ہر دور میں کیوں پیدا ہوتے ہیں؟ دراصل نیکی و بدی اور حق و باطل کی کشمکش ہر زمانے میں جاری رہتی ہے۔ اقتدار اور ملک گیری کی ہوس حکمرانوں کو ظلم و ستم پر اُکساتی رہتی ہے۔ اسے روکنے کے لیے ہر دور میں کچھ لوگ حق کا ساتھ دینے ضرور آگے آتے ہیں۔

واقعۂ کربلا بھی اسی قسم کا ایک سانحہ ہے جس میں حق و انصاف کی حفاظت کرتے ہوئے رسولِ اکرمؐ کے نواسے حضرت حسینؓ شہید ہو گئے۔ اُردو شاعری میں واقعۂ کربلا مرثیے کا ایک اہم موضوع رہا ہے۔ ذیل کا مرثیہ جدید شاعر وحید اختر نے اپنے منفرد انداز میں قلم بند کیا ہے۔ یہ کربلائی مرثیے کی ایک مثال ہے۔

اس مرثیے میں مذکور واقعے سے پہلے ہوا یہ کہ کوفے کے لوگوں نے خط لکھ کر حضرت حسینؓ کو مدینے سے کوفہ بلایا۔ انھوں نے وعدہ کیا کہ ہم آپ سے بیعت کرلیں گے اور یزید سے مقابلہ کریں گے۔ حضرت حسینؓ اس وعدے کے بھروسے پر کوفے کی طرف روانہ ہوئے۔ ان کے ساتھ ان کے خاندان کے بہتّر افراد تھے جن میں عورتیں، بچے، بوڑھے سبھی شامل تھے۔ جب یہ قافلہ عراق میں دریائے فرات کی ایک نہر کے پاس پہنچا تو یہیں سب کے قیام کے لیے خیمے لگا دیے گئے۔

مرثیے کے اجزا

مرثیے کے چند اجزا ہوتے ہیں جو ذیل کے مطابق ہیں:

۱۔ **چہرہ:** چہرہ مرثیے کی تمہید ہے۔ اس میں عموماً مناظرِ فطرت کو بیان کیا جاتا ہے۔

۲۔ **سراپا :** اس جز میں کربلا کے کرداروں کا سراپا بیان کیا جاتا ہے۔

۳۔ **رخصت :** اس حصے میں کربلا کے کرداروں کی میدانِ جنگ کی طرف روانگی کا ذکر ہوتا ہے۔

۴۔ **آمد :** اس حصے میں اہلِ بیتِ رسولؐ کی میدانِ کربلا میں پہنچنے کی روداد بیان کی جاتی ہے۔

۵۔ **رَجَز:** میدانِ جنگ میں اپنے آبا و اجداد کی بہادری اور ان کی جرأت و کمالات کو فخریہ انداز میں بیان کرنے کو رجز کہتے ہیں۔

۶۔ **رَزم :** میدانِ کربلا میں ہوئی جنگ کے احوال اس حصے میں بیان کیے جاتے ہیں۔

۷۔ **شہادت :** یہاں دشمنوں سے لڑتے ہوئے اہلِ بیت کی شہادت کا ذکر ہوتا ہے۔

۸۔ **بَین :** شہیدوں کی نعشیں دیکھ کر اہلِ قرابت شہید ہونے والے پر اپنے دُکھ کا بیان کرتے ہیں۔

جان پہچان : وحید اختر ۱۲؍اگست ۱۹۳۴ء کو اورنگ آباد میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد وہ حیدرآباد چلے گئے جہاں انھوں نے عثمانیہ یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔ وہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں لکچرر مقرر ہوئے۔ وحید اختر اُردو کے جدید شعرا میں شمار کیے جاتے ہیں۔ انھوں نے صنفِ مرثیہ کو نئے رنگ و آہنگ اور بلندی سے ہم کنار کیا۔ اس سلسلے میں ان کے آٹھ مرثیوں کا مجموعہ 'کربلا تا کربلا' قابلِ ذکر ہے جس سے ذیل کا مرثیہ ماخوذ ہے۔ 'پتھروں کا مغنّی'، 'شب کا رزمیہ' اور 'زنجیر کا نغمہ' ان کے شعری مجموعے ہیں۔ 'خواجہ میر درؔد - تصوف اور شاعری'، 'فلسفہ اور ادبی تنقید' ان کی نثری تصانیف ہیں۔ ۱۹۹۶ء میں حیدرآباد میں ان کا انتقال ہوا۔

پوچھا ، یہ زمیں کیسی ہے ، کیا نام ہے اس کا   لگتا ہے کچھ ایسا ، یہ ازل سے ہے شناسا
افلاک سے ، تاروں سے گزر آئے سبک پا   یہ ذرّے ہیں کیسے کہ قدم اُٹھ نہیں سکتا
آواز اک آئی ، یہ زمیں کرب و بلا ہے
انسان کی معراج یہی خاکِ شفا ہے

یہ سنتے ہی شبّیر کا رُخ ہوگیا تاباں   فرمایا کہ لو ، مل ہی گئی منزلِ جاناں
باندھا تھا اسی خاک سے ، خوں نے مرے پیماں   ہمراہیوں سے بولے ، یہیں کھول دو ساماں
یہ نہر ، یہ صحرا ، یہ ترائی ہے ہماری
گر فضلِ خدا ہو تو خدائی ہے ہماری

اس خاک کو پہچان لیا دیدہ وروں نے   نیوڑھا دیے سر سجدے میں آشفتہ سروں نے
سمجھا صدف اس دشت کو روشن گہروں نے   اسبابِ سفر کھول دیا ہم سفروں نے
دریا نے قدم چوم لیے تشنہ لبی کے
برپا ہوئے خیمے حرمِ پاکِ نبیؐ کے

دم بھی نہ لیا تھا کہ اُمنڈنے لگے اعدا   بزدل کی طرح آنکھ بدلنے لگی دنیا
چھوٹا دلِ حاسد کی طرح ہوگیا صحرا   کم ظرف کے وعدے کی طرح پھر گیا دریا
گلشن سے نکالا گیا پھولوں کا سفینہ
پھر ریت پہ آ ٹھہرا شہیدوں کا سفینہ

جب کذب کی بیعت سے کیا صدق نے انکار   سوداگرِ خوں جسم پہ سجنے لگے ہتھیار
میداں میں لگے اسلحۂ جنگ کے انبار   شر حق کے مقابل ہوا آمادۂ پیکار
خوابیدہ ضمیروں نے کیا جبر سے سودا
بیدارِ ایماں نے کیا صبر سے سودا

خلاصہ : جب حضرت حسینؓ کا قافلہ ایک جگہ پہنچا تو آپ نے پوچھا کہ یہ کون سا علاقہ ہے؟ اسے دیکھ کر لگتا ہے کہ یہ زمین بہت پہلے سے ہماری شناسا ہے۔ اِس زمین پر پہنچنے کے لیے ہم نے طویل فاصلہ تیز قدمی سے طے کرلیا۔ یہاں رُکنے کے بعد تو قدم آگے بڑھتے ہی نہیں۔ جواب ملا کہ یہ دُکھ اور تکلیف کی سرزمین ہے لیکن اس کی خاک انسان کے لیے معراج ہے۔ جواب سن کر شبیر یعنی حضرت حسینؓ کا چہرہ چمکنے لگا۔ انھوں نے کہا کہ یہی ہماری منزل ہے۔ یہیں سامان کھول کر قیام کرنا چاہیے۔ یہ نہر، صحرا اور وادی ہماری ہے۔ خدا کا فضل رہا تو اب یہ سب ہمارے قبضے میں ہوں گے۔ حضرت حسینؓ اور ان کے ساتھی دیدہ ور تھے۔ اگرچہ وہ پریشان تھے مگر انھوں نے اس زمین پر سجدے کے لیے سر ٹیک دیے اور یہیں قیام کرنے لگے۔ قافلے میں خاندان کی عورتوں کے لیے خیمے لگوائے گئے لیکن اسی اثنا میں دشمنوں کے لشکر نے انھیں گھیر لیا۔ جنگ کا اعلان ہوا اور سب لڑنے کے لیے ہتھیار سجانے اور صف لگانے لگے۔ شر اور خیر ایک دوسرے کے مقابل آئے۔ ایک طرف حکمراں کا جبر تھا، دوسری طرف ایمان والوں کا صبر تھا۔

معانی و اشارات

ازل سے	ابتدا سے، ہمیشہ سے
سبک پا	ہلکے قدموں سے، مراد آسانی سے
کرب و بلا	مصیبت، پریشانی
معراج	عظمت، بلندی
تاباں	روشن
منزلِ جاناں	مراد منزلِ مقصود
پیماں باندھنا	وعدہ کرنا
ترائی	دریا کی وادی
دیدہ ور	عقل مند
سرنیوڑھانا	سر جھکانا
آشفتہ سر	مصیبت کا مارا
صدف	سیپ
روشن گہر	مراد روشن کردار والا
تشنہ لبی	پیاس
حرم پاک نبیؐ	نبیؐ کے خاندان کی عورتیں
اعدا	عدو کی جمع، دشمن
دلِ حاسد	تنگ دل
کم ظرف	کمینہ
پھر جانا	مکر جانا
کذب	جھوٹ
بیعت	اسلامی قانون کے مطابق کسی کو امیر ماننے کا عہد
اسلحۂ جنگ	جنگ کے ہتھیار
آمادۂ پیکار	جنگ کے لیے تیار
خوابیدہ ضمیر	جس کا ضمیر سویا ہوا ہو، مراد بے حس
بیداریِ ایماں	ایمان کی تازگی

مشقی سرگرمیاں

* نظم بغور پڑھیے اور دی ہوئی سرگرمیاں ہدایات کے مطابق مکمل کیجیے۔

۱۔ نظم 'زمینِ کرب و بلا' کی صنف لکھیے۔

۲۔ مرثیے کی قسموں کے نام لکھیے۔

مرثیے کی قسمیں : ______ — ______

۳۔ نظم کے شاعر کا نام اور نظم کا ماخذ لکھیے۔

۴۔ نظم میں استعمال کیے گئے 'زمینِ کرب و بلا' کے دیگر نام تحریر کیجیے۔

۵۔ معرکۂ کربلا کے شروع ہونے کی وجہ بیان کیجیے۔

۶۔ معرکۂ کربلا واقع ہونے کی تاریخ اور مہینے کے نام لکھیے۔

۷۔ نظم میں استعمال کی گئی دو تشبیہوں کی وضاحت کیجیے۔

۸۔ اپنے پسندیدہ بند کی تشریح کیجیے اور پسندیدگی کی وجہ لکھیے۔

۹۔ نظم میں آنے والا حضرت حسینؓ کا دوسرا لقب لکھیے۔

۱۰۔ نظم کے کسی بند کے ردیف اور قافیے تحریر کیجیے۔

* ذیل کے بند کے مفہوم کو اپنے الفاظ میں بیان کیجیے۔

دم بھی نہ لیا تھا کہ اُمنڈنے لگے اعدا
بزدل کی طرح آنکھ بدلنے لگی دنیا
چھوٹا دلِ حاسد کی طرح ہوگیا صحرا
کم ظرف کے وعدے کی طرح پھر گیا دریا
گلشن سے نکالا گیا پھولوں کا سفینہ
پھر ریت پہ آ ٹھہرا شہیدوں کا سفینہ

* مرثیہ 'زمینِ کرب و بلا' کے پہلے اور آخری بند میں تضاد کے اشعار ہیں، انھیں لکھیے۔

۴۔ پریت کا گیت

حفیظ جالندھری

پہلی بات : گیت ہندی شاعری کی ایک معروف صنف ہے۔ اس کے لیے کوئی مخصوص موضوع یا ہیئت مقرر نہیں۔ البتہ نسوانی جذبات کے اظہار کی خصوصیت گیت کو ایک مخصوص مزاج دیتی ہے۔ جن لفظوں سے گیت کے خیالات اُجاگر ہوتے ہیں انھیں 'بول' کہا جاتا ہے اور اس کے بالکل ابتدائی بول کو مکھڑا کہتے ہیں۔ بول اور گیت کے قافیوں کی تکرار سے بول کو دہرایا جاتا ہے۔ گیت چونکہ گانے کے لیے ہوتا ہے اس لیے اسے موسیقی کا لفظی روپ سمجھنا چاہیے۔ گیت کی بحریں یعنی اس کی لے اور آہنگ ہندی بحروں اور عوامی شاعری کی بحروں سے مماثل ہوتی ہیں۔ اُردو میں عظمت اللہ خاں وغیرہ نے بحر و آہنگ کے تجربات کیے تو بیسویں صدی کے آغاز سے اُردو گیت لکھے جانے لگے۔ اختر شیرانی، حفیظ جالندھری اور نئے زمانے میں ندا فاضلی وغیرہ نے خوب گیت لکھے ہیں۔

اُردو شاعری انسانی محبت و یگانگت کے جذبات سے بھری پڑی ہے۔ غزل کی طرح ہمیں گیتوں میں بھی اتحاد کا پیغام ملتا ہے۔ گیتوں میں اُردو کے ساتھ ہندی لفظوں کا کثرت سے استعمال کیا جاتا ہے جو دو تہذیبوں کے مِلن سے عبارت ہے۔

جان پہچان : محمد حفیظ ۱۴؍جنوری ۱۹۰۰ء کو جالندھر میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم وہیں حاصل کی۔ ان کی کنیت ابوالاثر ہے۔ گھریلو حالات ناسازگار ہونے کی وجہ سے ان کی تعلیم ادھوری رہ گئی۔ وہ شعر و شاعری کا فطری ذوق رکھتے تھے۔ سات برس کی عمر میں انھوں نے نظم کہی۔ انھوں نے مختلف ادبی رسائل کی ادارت کے فرائض انجام دیے جن میں رسالہ زمیندار، نونہال اور مخزن مشہور ہیں۔ ان کا پہلا شعری مجموعہ 'نغمہ زار' ۱۹۲۵ء میں شائع ہوا۔ 'تلخابۂ شیریں، سوز و ساز' اور 'حفیظ کے گیت' ان کی دوسری کتابیں ہیں۔ 'شاہنامۂ اسلام' ان کی شاہکار طویل مثنوی ہے۔ ۱۹۸۲ء میں ان کا انتقال ہوا۔

اپنے من میں پریت بسا لے
اپنے من میں پریت

من مندر میں پریت بسا لے — او مورکھ ، او بھولے بھالے
دل کی دنیا کر لے روشن — اپنے گھر میں جوت جگا لے
پریت ہے تیری ریت پرانی — بھول گیا او بھارت والے

بھول گیا او بھارت والے
پریت ہے تیری ریت
بسا لے اپنے من میں پریت

☆

اپنے من میں پریت بسا لے
اپنے من میں پریت

نفرت اک آزار ہے ، پیارے — دکھ کا دارو پیار ہے ، پیارے
آ جا ، اپنے روپ میں آ جا — تو ہی پریم اوتار ہے ، پیارے

یہ ہارا تو سب کچھ ہارا　　من کے ہارے ہار ہے ، پیارے
من کے ہارے ہار ہے پیارے
من کے جیتے جیت
بسالے اپنے من میں پریت

☆

اپنے من میں پریت بسالے
اپنے من میں پریت
دیکھ ، بڑوں کی ریت نہ جائے　　سر جائے پر میت نہ جائے
میں ڈرتا ہوں ، کوئی تیری　　جیتی بازی جیت نہ جائے
جو کرنا ہے ، جلدی کرلے　　تھوڑا وقت ہے ، بیت نہ جائے
تھوڑا وقت ہے ، بیت نہ جائے
وقت نہ جائے بیت
بسالے اپنے من میں پریت

خلاصہ : شاعر نے اس نظم میں محبت کی عظمت اور اہمیت بیان کی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اے انسان! تو اپنے دل کو محبت کے جذبات سے معمور کرلے۔ شاعر انسان کو نادان اور بھولا بھالا کہہ رہا ہے۔ یہ اس طرف اشارہ ہے کہ انسان محبت کی حقیقت سے ناواقف ہے۔
دل گویا ایک مندر ہے اور محبت عبادت ہے۔ اس سے انسان کو ایسی روشنی میسر آتی ہے جو اس کے گھر یعنی اس کی ذات کو روشن کردیتی ہے۔ شاعر اہلِ وطن کو یاد دلاتا ہے کہ ہمارے ملک میں پرانے زمانے ہی سے محبت اور اتحاد کا چلن عام رہا ہے۔ محبت کے برعکس نفرت ایک بیماری ہے جبکہ زندگی کے دکھوں کا علاج محبت کے ذریعے کیا جاسکتا ہے۔ انسان کی بنیاد ہی محبت ہے۔ انسان محبت کا پیغام پہنچانے والا ہے۔ اگر انسان طرزِ محبت کو اپنانے میں ناکام رہا تو وہ سب کچھ کھودیتا ہے۔ محبت سے انسان سب کو جیت لیتا ہے۔
محبت ہمارے آباواجداد کا طرزِ حیات رہا ہے۔ ہمیں اسے چھوڑنا نہیں چاہیے۔ اس کے لیے جان کی بازی لگانی پڑے تب بھی اتفاق و اتحاد کی حفاظت کرنا چاہیے۔ شاعر کو ڈر ہے کہ کہیں لوگ ہمارے درمیان پھوٹ ڈال کر ہمیں محبت کی راہ سے دور نہ کردیں۔ وقت دیکھتے دیکھتے گزر جاتا ہے اس لیے ہمیں اپنے تعلقات کو مضبوط کرنے اور اتحاد سے لوگوں کو ایک دوسرے سے قریب کرنے میں دیر نہیں کرنا چاہیے اور زندگی محبت کے ساتھ بسر کرنا چاہیے۔

معانی واشارات

آزار	-	مرض، تکلیف
دارو	-	مراد علاج (اصلی معنی : دوا)
میت	-	دوست
بازی	-	کھیل، مقابلہ
پریم اوتار	-	محبت کی صورت/شخصیت

مشقی سرگرمیاں

* نظم کو غور سے پڑھیے اور دی ہوئی سرگرمیوں کو ہدایات کے مطابق مکمل کیجیے۔

۱۔ جان پہچان کی مدد سے ویب خاکہ مکمل کیجیے۔

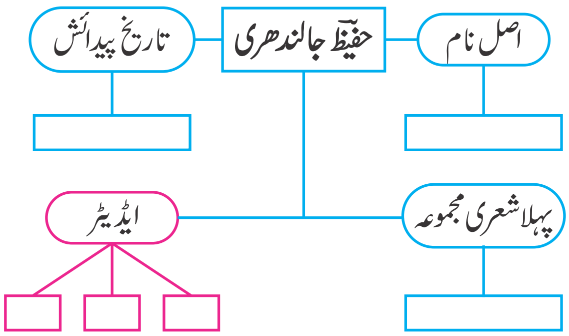

۲۔ پریت کے گیت کے مرادی مفہوم کو واضح کیجیے۔

۳۔ گیت کے مکھڑے کو نقل کیجیے۔

۴۔ بھارت واسیوں سے شاعر کی التجا بیان کیجیے۔

۵۔ ہندوستانی پس منظر میں گیت کے عنوان اور گیت کی زبان پر اپنی رائے دیجیے۔

۶۔ شاعر کے مطابق نفرت کے مرض کے علاج اور اس کے معالج کو واضح کیجیے۔

۷۔ پریت کے گیت سے دنیا اور گھر میں ہونے والی تبدیلی کو لکھیے۔

۸۔ شاعر نے گیت میں جن خدشوں کا اظہار کیا ہے، انھیں ترتیب وار لکھیے۔

۹۔ گیت کے پسندیدہ بند کے مفہوم کو مختصراً لکھیے اور پسندیدگی کی وجہ لکھیے۔

۱۰۔ نظم سے پانچ ہم صوتی الفاظ تلاش کر کے لکھیے۔

۱۱۔ نظم سے ہندی زبان کے الفاظ ڈھونڈ کر لکھیے۔

۱۲۔ نظم سے متضاد الفاظ کی جوڑی تلاش کر کے لکھیے۔

* پریت ہے تیری ریت پرانی
بھول گیا او بھارت والے

اس شعر کی روشنی میں بھارت کی کسی ایک رسم کو لکھیے۔

* نظم کے دوسرے بند کے مفہوم کو اپنے الفاظ میں بیان کیجیے۔

تجنیس

ذیل کے جملوں میں لفظ 'تار' پر غور کیجیے :

۱۔ تار پڑھ کر وہ رونے لگا۔

۲۔ بجلی کے تار پر چڑیا بیٹھی ہے۔

۳۔ اس کا لباس تار تار ہو گیا۔

۴۔ تیرہ و تار رات میں وہ گھر سے باہر نکل پڑا۔

یہاں واضح ہوتا ہے کہ ہر جملے میں تار کا املا اور آواز یکساں ہے مگر ہر جملے میں اس لفظ کے معنی بالکل مختلف ہیں۔ اس طرح لفظوں کے استعمال کو **'تجنیس'** کہتے ہیں۔ اگر یہ استعمال شعر میں ہو تو یہ ایک قسم کی لفظی صنعت ہے۔ اس صنعت کی کئی قسمیں ہیں۔

میر حسؔن کی مثنوی میں آپ نے یہ شعر پڑھا ہے :

وہ معبود یکتا ، خدائے جہاں
کہ جس نے کیا کُن میں کون و مکاں

اس شعر کے الفاظ 'کن / کون' میں ایک حرف 'و' زائد ہے اس لیے اس قسم کی تجنیس کو **'تجنیسِ زائد'** کہتے ہیں۔

میؔر کی مثنوی میں یہ شعر بھی آپ نے پڑھا ہے :

چرخ تک ہو گیا ہے پانی جو
ماہ و ماہی ہیں ایک جا ہر دو

یہاں 'ماہ / ماہی' لفظوں میں ایک حرف 'ی' زائد ہے۔

* ذیل کے مصرعوں میں تجنیسِ زائد کے الفاظ تلاش کیجیے :

بھول گیا ، او بھارت والے
پریت ہے تیری ریت
بسالے اپنے من میں پریت

* درج ذیل شعر میں استعمال کی ہوئی صنعت کا نام بتائیے۔

کہا دل نے اب تا کجا بند رہیے
کہاں تک بھلا گھر میں پابند رہیے

۵۔ تضحیکِ روزگار

F1BHN4

مرزا محمد رفیع سوداؔ

پہلی بات : جس نظم میں کسی کا مذاق اُڑایا جاتا یا اس کی برائی کی جاتی ہے، اسے ہجو کہتے ہیں۔ ہجو قصیدے کی صورت میں بھی لکھی جاتی ہے، ایسا قصیدہ ہجویہ قصیدہ کہلاتا ہے۔ زمانے کے خراب حالات کا مذاق اُڑاتے ہوئے سوداؔ نے ایک شخص کے گھوڑے کی ہجو لکھی ہے۔

جان پہچان : مرزا محمد رفیع سوداؔ ۱۷۰۶ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ وہیں انھوں نے فارسی و عربی کی ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ سوداؔ قادر الکلام شاعر تھے۔ انھوں نے بہت سی اصنافِ سخن میں طبع آزمائی کی۔ انھوں نے غزلیں، نظمیں، مثنویاں، قصیدے، مرثیے، قطعات، رباعیات، پہیلیاں وغیرہ کہی ہیں۔ قصیدہ گوئی اور ہجو نگاری میں ان کا مرتبہ اُردو شاعروں میں سب سے بلند ہے۔ سوداؔ کا انتقال ۱۷۸۱ء میں لکھنؤ میں ہوا۔

ہے چرخ جب سے ابلقِ ایام پر سوار
رکھتا نہیں ہے دستِ عناں کا بہ یک قرار

جن کے طویلے بیچ، کوئی دن کی بات ہے
ہرگز عراقی و عربی کا نہ تھا شمار

اب دیکھتا ہوں میں کہ زمانے کے ہاتھ سے
موچی سے کفشِ پا کو گٹھاتے ہیں وہ ادھار

ہیں گے چنانچہ ایک ہمارے بھی مہرباں
پاوے سزا جو ان کا کوئی نام لے نہار

نوکر ہیں سو روپے کے دیانت کی راہ سے
گھوڑا رکھیں ہیں ایک، سو اتنا خراب و خوار

نے دانہ و نہ کاہ، نہ تیمار، نے سئیس
رکھتا ہو جیسے اسپِ گِلی طفلِ شیر خوار

ناطاقتی کا اس کی، کہاں تک کروں بیاں
فاقوں کا اس کے، اب میں کہاں تک کروں شمار

مانندِ نقشِ نعل زمیں سے بجز فنا
ہرگز نہ اُٹھ سکے وہ اگر بیٹھے ایک بار

ہے اس قدر ضعیف کہ اُڑ جائے باؤ سے
میخیں گر اس کے تھان کی ہوویں نہ استوار

نے استخواں، نہ گوشت، نہ کچھ اس کے پیٹ میں
دھونکے ہے دم کو اپنے کہ جوں کھال کو لُہار

القصہ، ایک دن مجھے کچھ کام تھا ضرور
آیا یہ دل میں، جائیے گھوڑے پہ ہو سوار

رہتے تھے گھر کے پاس قضارا وہ آشنا
مشہور تھا جنھوں کنے وہ اسپِ نابکار

خدمت میں اُن کی، میں نے کیا جا کے التماس
گھوڑا مجھے سواری کو اپنا دو مستعار

فرمایا تب انھوں نے کہ اے مہربانِ من
ایسے ہزار گھوڑے کروں تم پہ میں نثار

لیکن کِسو کے چڑھنے کے لائق نہیں یہ اسپ
یہ واقعی ہے، اس کو نہ جانوگے انکسار

دہلی تک آن پہنچا تھا جس دن کہ مرہٹہ
مجھ سے کہا نقیب نے آ کر، ہے وقت کار

مدت سے کوڑیوں کو اُڑایا ہے گھر میں بیٹھ   ہوکر سوار ، اب کرو میدان میں گزار
لاچار ہوکے تب تو بندھایا میں اس پہ زیں   ہتھیار باندھ کر ، میں ہوا جاکے پھر سوار
چابک تھے دونوں ہاتھوں میں، پکڑے تھا منہ میں باگ   تک تک سے پاشنہ کے مرے پاؤں تھے فگار
آگے سے توبڑا اسے دکھلائے تھا سئیس   پیچھے نقیب ہانکے تھا ، لاٹھی سے مار مار
اِس مضحکے کو دیکھ ہوئے جمع خاص و عام   اکثر مدبر اُن میں سے کہتے تھے یوں پکار
پہیّے اِسے لگاؤ کہ تا ہووے یہ رواں   یا بادبان باندھ ، پون کے دو اختیار
گھوڑا تھا بسکہ لاغر و پست و ضعیف و خشک   کرتا تھا یوں خفیف مجھے وقتِ کارزار
جاتا تھا جب ، ڈپٹ کے میں اس کو ، حریف پر   دوڑوں تھا اپنے پاؤں سے جوں طفلِ نےَ سوار
جب دیکھا میں کہ جنگ کی یاں یوں بندھی ہے شکل   لے جوتیوں کو ہاتھ میں ، گھوڑا بغل میں مار
دھر دھمکا واں سے لڑتا ہوا شہر کی طرف   القصہ گھر میں آن کے میں نے کیا قرار

سوؔدا نے تب قصیدہ کہا سن یہ ماجرا
ہے نام اس قصیدے کا تضحیکِ روزگار

خلاصہ : سوؔدا اس ہجویہ قصیدے میں زمانے کی خرابیوں اور برے حالات کا ذکر کرتے ہیں۔ اس کی مثال میں وہ بتاتے ہیں کہ انسان تو انسان جانوروں کا بھی حال برا ہے۔ ایک شخص کے پاس ایک گھوڑا تھا، نہایت کمزور اور ناطاقتی کا مارا۔ ایک دن سوؔدا نے سوچا کہ گھوڑے والے سے گھوڑا اُدھار لے کر بازار چلے جائیں۔ گھوڑے والا انھیں گھوڑا دینے کو تیار تھا مگر وہ کہتا ہے کہ یہ گھوڑا چلنے پھرنے سے بھی معذور ہے۔ جب دہلی پر مراٹھوں نے حملہ کیا تو میں اس پر سوار ہوکر میدانِ جنگ میں جانے کو تیار ہوا مگر گھوڑا جگہ سے ہلنے کو تیار نہ تھا۔ لوگ میرا مذاق اُڑانے لگے۔ وہ بولے کہ اسے پہیے لگاؤ یا اس پر بادبان باندھو تاکہ ہوا اُسے سرکا کرلے جائے۔ ایک شخص گھوڑے کو پیچھے سے مارتا اور دوسرا آگے سے اسے کھانے کا لالچ دے رہا تھا مگر گھوڑا ہلتا تھا نہ ہلا۔ تب میں نے یعنی گھوڑے والے نے اسے اس طرح کھینچنا شروع کیا جیسے بچے لاٹھی پر گھوڑا سواری کھیلتے ہیں۔ آخرکار میں نے اسے بغل میں دبایا اور خود دوڑتا ہوا گھر تک اسے لاسکا۔ سوؔدا نے یہ سارا واقعہ اس قصیدے میں بیان کیا ہے۔

معانی و اشارات

تضحیک	ذِلت، ہنسی اُڑانا	نہار	صبح، دن (کے وقت)
ابلقِ ایام	زمانے کا گھوڑا، مراد زمانہ	خراب وخوار	بے حد خراب
عِنان	لگام	نے	نہ
کفشِ پا	پاؤں کی جوتی	تیمار	نگراں
گُتھانا	سِلوانا	توبڑا	گھوڑے کے کھانے کی تھیلی جس میں اناج رکھ کر گھوڑے کے منہ پر باندھ دیتے ہیں۔
ہیں گے	ہیں، ہوتے ہیں		

سئیس	-	گھوڑے کو سنبھالنے والا (سائیس)
اسپِ گِلی	-	مٹی کا گھوڑا (کھلونا)
طفلِ شیر خوار	-	دودھ پیتا بچہ
نقشِ نعل	-	نعل کا نشان
بجز	-	سوائے
باؤ	-	ہوا
میخیں	-	کیلیں
استخواں	-	ہڈی
لہار	-	لوہار
دم دھونکنا	-	ہوا بھرنا
القصہ	-	بہرحال، مختصر یہ کہ
قضارا	-	اتفاق سے
آشنا	-	دوست
کنے	-	پاس
اسپِ نابکار	-	نالائق گھوڑا
مستعار	-	اُدھار
مہربانِ من	-	میرے مہربان (دوست)
کِسو	-	کسی

نقیب	-	اعلان کرنے والا
کوڑیاں اڑانا	-	وقت ضائع کرنا
باگ	-	لگام
تک تک	-	گھوڑے سوار کا ایڑیوں سے گھوڑے کو مارنا
پاشنہ	-	ایڑی
فگار	-	زخمی
مضحکہ	-	مذاق، مزے دار واقعہ
مدبّر	-	عقل مند
کہ تا	-	تا کہ
پون کے اختیار	-	ہوا کے حوالے
بسکہ	-	چونکہ
خفیف	-	شرمندہ
کارزار	-	جنگ
ڈپٹ کے	-	دوڑ کر
حریف	-	مقابل
طفلِ نَے سوار	-	لاٹھی پر گھوڑے کی سواری کرنے والا بچہ
تضحیکِ روزگار	-	زمانے کا مذاق

مشقی سرگرمیاں

٭ ہجویہ قصیدے کو پڑھ کر ذیل کی استحسانی سرگرمیوں کو ہدایات کے مطابق مکمل کیجیے۔

۱۔ ہجویہ قصیدے کی تعریف لکھیے۔
۲۔ قصیدے کے اجزا کو ترتیب وار لکھیے۔
۳۔ ہجویہ قصیدے کے موضوعات کو واضح کیجیے۔
۴۔ شاعر کے دوست کی خصوصیات بیان کیجیے۔
۵۔ شاعر کے دوست کے گھوڑے کی خصوصیات تحریر کیجیے۔
۶۔ گھوڑے کی ناطاقتی کو اپنے الفاظ میں بیان کیجیے۔
۷۔ شاعر کے دوست کی تنخواہ لکھیے۔
۸۔ شاعر کے ساتھ اتفاقیہ ہونے والا واقعہ تحریر کیجیے۔
۹۔ شاعر کے دوست کے ساتھ ہونے والے واقعے کو اپنے الفاظ میں بیان کیجیے۔
۱۰۔ شاعر کے دوست کے گھر پہنچنے کی روداد بیان کیجیے۔
۱۱۔ پہیّے، بادبان اور گھوڑے کے درمیان ربط کو واضح کیجیے۔
۱۲۔ نظم سے صنعتِ مبالغہ کے اشعار نقل کیجیے۔
۱۳۔ نظم سے صنعتِ تشبیہ کا شعر نقل کیجیے۔
۱۴۔ اپنی پسند کا ایک شعر نقل کیجیے اور پسندیدگی کی وجہ لکھیے۔
۱۵۔ ذیل کے ہم معنی الفاظ نظم سے تلاش کر کے لکھیے :
لگام، سِلوانا، بہرحال، شرمندہ
۱۶۔ نظم سے محاوروں کو الگ کر کے معنی کے ساتھ لکھیے۔

* قصیدہ 'تضحیکِ روزگار' پڑھ کر ذیل کی سرگرمی کو مکمل کیجیے۔

قصیدے میں گھوڑے سے متعلق آئے ہوئے الفاظ

* گھوڑے سے متعلق رواں خاکہ مکمل کیجیے۔

اِس مضحکے کو
↓
اکثر مدبر
↓
پہیے اِسے لگاؤ
↓
یا بادبان باندھو

صنعتِ مبالغہ

گھوڑے کی ہجو میں اس کی کمزوری اور لاغری کو شاعر نے اس طرح بیان کیا ہے :

ہے اس قدر ضعیف کہ اُڑ جائے باؤ سے
میخیں گر اس کے تھان کی ہوویں نہ استوار

یعنی گھوڑا اتنا کمزور اور دُبلا پتلا ہے کہ جہاں اسے باندھا جاتا ہے اس تھان کو اگر کیلوں سے ٹھونکا نہ گیا ہو تو کمزور گھوڑے کو تیز ہوا تنکے کی طرح اُڑا لے جائے۔

شعر میں جب ایسی کوئی بات کہی جائے کہ اس کا واقع ہونا ممکن نہ ہو تو اس صنعت کو **'مبالغہ'** کہتے ہیں۔ مبالغے کی دوسری مثال :

جاتا تھا جب، ڈپٹ کے میں اس کو، حریف پر
دوڑوں تھا اپنے پاؤں سے جوں طفلِ نَے سوار

'تجنیسِ تام'

نویں جماعت میں غالبؔ کے قصیدے میں آپ نے پڑھا ہے کہ اس کی ردیف لفظ 'کُھلا' کو کئی معنوں میں استعمال کیا گیا ہے مثلاً

صبح دم دروازۂ خاور کُھلا	-	دروازہ کھلا
دیتے ہیں دھوکا یہ بازی گر کھلا	-	واضح دھوکا دیتے ہیں
خسروِ آفاق کے منہ پر کھلا	-	اچھا لگا
مجھ سے گر شاہِ سخن گستر کھلا	-	بے تکلف ہوا، وغیرہ

اس سے واضح ہے کہ زبان میں الفاظ ایک معنی میں استعمال نہیں کیے جاتے یا لفظوں کو ایک سے زیادہ معنوں میں استعمال کیا جاسکتا ہے۔ الفاظ کا ایسا استعمال کہ ایک لفظ مختلف معنی دے **'تجنیسِ تام'** کہلاتا ہے۔

سوداؔ کے قصیدے 'تضحیکِ روزگار' کے یہ دو اشعار دیکھیے :

نوکر ہیں سو روپے کے ، دیانت کی راہ سے
گھوڑا رکھے ہیں ایک ، سو اتنا خراب و خوار
نے دانہ و نہ کاہ ، نہ تیمار ، نے سئیس
رکھتا ہو جیسے اسپِ گِلی طفلِ شیرخوار

ان شعروں میں لفظ 'خوار' دو معنی میں استعمال کیا گیا: 'خراب' اور 'کھانے یا پینے والا'۔ اس لیے ان شعروں میں تجنیسِ تام پائی جاتی ہے۔

* ذیل کے شعر سے تجنیسِ تام کے الفاظ تلاش کر کے لکھیے۔

گل و غنچہ ہے صورتِ جام و مینا
روش عکسِ سبزہ سے جوں نقشِ مینا

* گزشتہ جماعتوں میں پڑھی گئی نظموں سے ایسے اشعار تلاش کیجیے جن میں تجنیسِ زائد اور تجنیسِ تام آئی ہو۔

٦۔ صحنِ چمن کی سیر

F1KIPR

عادلؔ ناگپوری

پہلی بات : مثنوی اُردو شاعری کی ایک اہم صنف ہے جس میں مسلسل اشعار کے ذریعے کسی واقعے یا منظر وغیرہ کی تصویر کشی کی جاتی ہے۔مثنوی کے اشعار ہم قافیہ ہوتے ہیں۔ ہر شعر میں مختلف قافیوں کی وجہ سے اس نظم میں طویل قصے کو با آسانی بیان کیا جاسکتا ہے۔مثنوی میں عجیب وغریب قصے،عشق ومحبت کی کہانیاں، جنگ،مہم جوئی کے حالات وغیرہ بیان کیے جاتے ہیں۔

ہماری مثنویوں میں فطرت کی خوب صورتی کو بھی طرح طرح سے بیان کیا گیا ہے۔شعرا نے خاص طور پر باغات کی رنگارنگی کو اشعار میں اس طرح پیش کیا ہے کہ درختوں، پھولوں،نہروں اور روشوں کی تصویریں سامنے آ جاتی ہیں۔ہم باغ میں چلنے والی ہواؤں اور پھولوں کی مہک کو محسوس کرنے لگتے ہیں۔ذیل کے اشعار میں باغ کی جو منظر نگاری کی گئی ہے، وہ گل و لالہ،نسیم و شمیم اور پرندوں کی چہکار سے بھری ہوئی ہے۔

جان پہچان : عادلؔ ناگپوری کا اصل نام سیّد عبدالعلی تھا۔ وہ ۱۸۲۳ء میں ناگپور میں پیدا ہوئے۔ دینیات کی ابتدائی تعلیم انھوں نے گھر میں حاصل کی۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے انھوں نے اپنے زمانے کے بڑے عالموں کے آگے زانوئے ادب تہہ کیا۔ عادلؔ رگھوجی راجے سوم کے انتظامیہ میں ملازم بھی رہے۔ انھوں نے ۱۸۹۴ء میں وفات پائی۔ فارسی میں بھی عادلؔ کی کئی کتابیں ہیں۔ درج ذیل مثنوی ان کے کلیات سے لی گئی ہے۔

خیال آیا یک روز صحنِ چمن کا
ہوا میلِ دل دیدِ سرو و سمن کا

کہا دل نے اب تا کجا بند رہیے
کہاں تک بھلا گھر میں پابند رہیے

گریبانِ خاطر نہ صد پارہ کیجے
بہارِ گل و لالہ نظارہ کیجے

نسیمِ سحر عطر بیزِ چمن ہے
ہوا مستِ مینائے بوئے سمن ہے

طراوت دہِ دل ہے فصلِ بہاراں
ہوا لطف بخشندۂ جانِ یاراں

گل و غنچہ ہے صورتِ جام و مینا
روش عکسِ سبزہ سے جوں نقشِ مینا

صفیرِ عنادل ملالت ربا ہے
خیاباں میں مستانہ پھرتی صبا ہے

ہوئی ختم تقریر جب دل کی یکسر
خرد نے کہا مجھ سے آشفتہ ہوکر

کہ اے بے خبر ، ابلہ و سخت ناداں
کبھی دل کی تقریر سے ہو نہ شاداں

حقیقت ہے سیرِ چمن دلربا ہے
ولے اس کو جو اہلِ برگ و نوا ہے

یہ گل گشت زیبا نہیں ہر گدا کو
نہ ہر مفلسِ بندِ دامِ عنا کو

اگر یوں ہی منظور ہے سیرِ گلشن
ہے مطلوب سمعِ صفیرِ نوا زن

ذرا چل کے اب دیکھ دربار اس کا
کہ کیسا ہے محفل کا گلزار اس کا

جسے دیکھ پیرِ فلک با قدِ خم
ادب سے کھڑا بہرِ مجرا دمادم

خلاصہ : ایک دن شاعر کو صحنِ چمن کا خیال آیا۔ اس کے دل میں سرو اور سمن کے درختوں اور پھولوں کو دیکھنے کی آرزو پیدا ہوئی۔ دل نے اس سے کہا کہ آپ کب تک یونہی گھر میں بند رہیں گے؟ اپنی طبیعت پر ملال طاری مت کیجیے اور گل و لالہ کی بہار کا نظارہ کیجیے جہاں صبح کی ٹھنڈی ہوا چمن کو خوشبو سے معطر کر رہی ہے اور خود سمن کے پھولوں کی خوشبو سے مست ہوئی جا رہی ہے یعنی وہ نسیم جو بصیرت کے باغ میں چلتی ہے اور خوشبودار سانسوں والی ہے جو ہستی کے باغ کے پھول کی خوشبو ہے۔ بہار کا موسم دلوں کو تازگی عطا کر رہا ہے اور ہوا دوستوں کی جان کو لطف بخش رہی ہے۔ شاعر کا دل پھولوں اور کلیوں کو جام اور مینا کی تشبیہ دیتے ہوئے کہہ رہا ہے کہ راستہ ہریالی کی وجہ سے ایسا لگ رہا ہے جیسے کسی صراحی پر نقاشی کی گئی ہو۔ بلبلوں کی آواز غم کی کیفیت کو ختم کرنے والی ہے اور خیاباں میں صبا اپنے آپ میں مست ہو کر گھومتی پھر رہی ہے۔

جب دل نے اپنی یہ تقریر ختم کی تو عقل نے پریشان ہو کر شاعر کو مخاطب کیا اور کہا کہ اے بے خبر! تو بے وقوف اور نادان ہے جو دل کی باتیں سن کر خوش ہو رہا ہے۔ یہ سچ ہے کہ باغ کی سیر دل کو لُبھانے والی ہے لیکن صرف اسی کے لیے جو مالدار اور امیر ہے۔ یہ کسی غریب، فقیر اور دکھ درد کے جال میں پھنسے مفلس کو زیب نہیں دیتی۔ اگر تجھے گلشن کی سیر کرنی ہی ہے اور پرندوں کی چہچہاہٹ کو سننا ہے تو پھر چل کر اس کا (ناگپور کے راجا رگھوجی راؤ بھوسلے کا) دربار اور اس کی محفل کے گلزار کو دیکھ جس کو دیکھ کر اتنا قدیم آسمان جھک کر کھڑا ہے اور ادب سے اسے مسلسل سلام کر رہا ہے۔

معانی واشارات

میلِ دل	-	دل کی چاہت
دیدِ سرو و سمن	-	سرو کے درخت اور چنبیلی کے پھولوں کو دیکھنا
تا کجا	-	کب تک
گریبانِ خاطر	-	مراد طبیعت
صد پارہ	-	سو ٹکڑے
عطر بیزِ چمن	-	باغ میں عطر جیسی خوشبو پھیلانے والا
مستِ مینائے بوئے سمن	-	یاسمین (چنبیلی) کے پھولوں کی خوشبو سے مست
لطف بخشندۂ جانِ یاراں		دوستوں کی جان کو لطف دینے والا
صفیرِ عنادل	-	بلبلوں کی آواز
ملالت ربا	-	ملال کو ختم کرنے والا
خیاباں	-	کیاری
آشفتہ	-	پریشاں
ابلہ	-	بے وقوف
اہلِ برگ و نوا	-	مال و متاع والے، امیر
گل گشت	-	باغ کی سیر
زیبا	-	اچھی لگنے والی
مفلسِ بندِ دامِ عنا	-	دکھ درد کے جال میں پھنسا غریب
مطلوب	-	مقصود
سمعِ صفیرِ نوا زن	-	چہچہاہٹ کی آوازوں کو سننا
قدِ خم	-	جھکا ہوا قد
بہرِ مجرا	-	سلامی کے لیے
دمادم	-	مسلسل

مشقی سرگرمیاں

*** نظم کا بغور مطالعہ کیجیے اور دی ہوئی سرگرمیوں کو ہدایات کے مطابق مکمل کیجیے۔**

۱۔ شاعر کے تعارف کے لیے ذیل کے ویب خاکے کو مکمل کیجیے۔

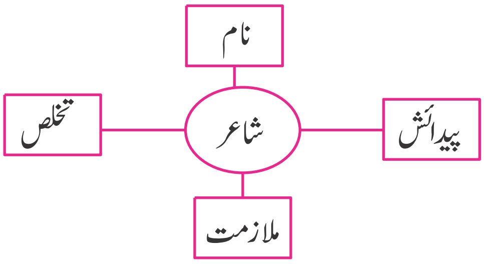

۲۔ شاعر کے لیے دل کا مشورہ تحریر کیجیے۔

۳۔ دل کے مشورے کی وجہ مختصراً لکھیے۔

۴۔ چمن میں گل وغنچہ اور کیاریوں کی کیفیت بیان کیجیے۔

۵۔ چمن میں بلبل اور صبا کی حالت بیان کیجیے۔

۶۔ شاعر کو عقل کی دی ہوئی نصیحت قلم بند کیجیے۔

۷۔ عقل کے مطابق سیرِ چمن جن کے لیے ممنوع ہے، ان کے نام لکھیے۔

۸۔ نظم سے صنعتِ تشبیہ کا شعر تلاش کر کے لکھیے۔

۹۔ نظم میں ہوا، پھول اور باغ کے لیے استعمال کیے گئے دوسرے الفاظ لکھیے۔

۱۰۔ ذیل کے ہم معنی الفاظ نظم سے تلاش کر کے لکھیے:
خوشبو، پرندوں کی چہکار، تازگی، باگ ڈور، بلبل کی جمع، بار بار، فکرمند

۱۱۔ باغ کی جو منظر نگاری کی گئی ہے، وہ گل و لالہ، نسیم و شمیم اور پرندوں کی چہکار سے بھری ہے، اس بیان کو نظم کے حوالے سے ثابت کیجیے۔

۱۲۔ نظم سے زیرِ اضافت والی ترکیبیں تلاش کر کے لکھیے۔

*** نظم کی مدد سے ہوا کے متعلق ویب خاکہ مکمل کیجیے۔**

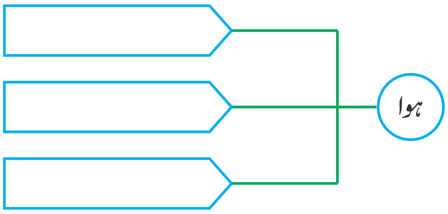

*** 'گل' اس لفظ پر زیر، زبر اور پیش لگا کر لفظ لکھ کر معنی لکھیے۔**

*** دیے ہوئے فقروں کے لیے نظم سے مخصوص ترکیبیں لکھیے۔**

۱۔ خوشبودار سانسوں والی صبح کی ہوا

۲۔ باغ میں عطر جیسی خوشبو پھیلانے والا

۳۔ دوستوں کی جان کو لطف دینے والا

۴۔ مال ومتاع والے

۵۔ دُکھ درد کے حال میں پھنسا غریب

اضافی معلومات

رگھوجی راؤ بھوسلے سوم

ناگپور گونڈ راجاؤں کا دارالخلافہ رہا ہے۔ بخت بلند شاہ، چاند سلطان، شاہ برہان شاہ، اکبر شاہ وغیرہ اہم گونڈ راجا ہو گزرے ہیں۔ چاند سلطان کے انتقال کے بعد اس کی بیوہ رانی نے دشمنوں سے اپنی حکومت کی حفاظت کرنے کے لیے ایک مراٹھا سردار رگھوجی راؤ بھوسلے سے مدد چاہی۔ رگھوجی نے ناگپور پہنچ کر رانی کی بڑی مدد کی۔ اس عمل سے خوش ہو کر رانی نے رگھوجی کو اپنا تیسرا بیٹا تسلیم کر لیا اور حکومت کے تین حصے کر کے اپنے ہر بیٹے کو ایک ایک حصہ دے دیا۔ رگھوجی بھوسلے کے حصے میں ناگپور کا علاقہ آیا۔ یہیں سے ناگپور میں بھوسلے حکومت کی بنیاد پڑی۔ تقریباً ۱۲۵ برس یہ خاندان حکومت کرتا رہا۔ اس خاندان کے اہم راجاؤں میں رگھوجی بھوسلے اوّل، جانوجی بھوسلے، رگھوجی دوم اور رگھوجی سوم کے نام لیے جاتے ہیں۔ مثنوی 'صحنِ چمن کی سیر' میں اسی تیسرے بادشاہ کی وجاہت اور حکومت کا ذکر ہے۔ شاعر نے 'ذرا چل کے اب دیکھ دربار اس کا' میں اسی بادشاہ کے دربار کی طرف اشارہ کیا ہے۔ شاعر خود رگھوجی بھوسلے سوم کے انتظامیہ میں ملازم تھے۔ انھوں نے اس مثنوی میں راجا کی انتظامی صلاحیتوں کی خوب تعریف کی ہے۔

۷۔ چلو کہ آج ...

F1UERE

اختر الایمان

پہلی بات : زمانے میں کوئی شخص اپنے معاشرے سے کٹ کر نہیں رہ سکتا۔ یہاں رہنے والوں کو ایک دوسرے کی ضرورت پڑتی ہے۔ معاشرے کے افراد اپنے دکھوں اور تکلیفوں کو اس طرح ختم کر سکتے ہیں کہ ایک دوسرے سے ہمدردی کریں، ایک دوسرے کا دکھ بانٹیں اور راستے کے کانٹوں کو ہٹا دیں تاکہ اور لوگ آسانی سے راستہ پار کر سکیں۔ ذیل کی نظم میں شاعر نے یہی پیغام دیا ہے۔

جان پہچان : فتح محمد اختر الایمان پتھر گڑھ (نجیب آباد) میں ۱۲؍نومبر ۱۹۱۵ء کو پیدا ہوئے۔ ان کی ابتدائی تعلیم مختلف قصبوں کے مدرسوں اور اسکولوں میں ہوئی۔ انھوں نے دہلی کالج سے بی اے کیا۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے ایم اے سالِ اوّل مکمل کر کے وہ پونہ چلے گئے جہاں انھوں نے فلموں کے لیے لکھا۔ کچھ دنوں بعد انھوں نے ممبئی میں سکونت اختیار کر لی۔ یہاں انھوں نے کئی فلموں کے منظر نامے اور مکالمے لکھے۔

اختر الایمان کا شمار اُردو کے اہم نظم گو شعرا میں ہوتا ہے۔ ان کے دس شعری مجموعے چھپ چکے ہیں۔ ان کا پہلا شعری مجموعہ 'گرداب' ہے۔ دوسرے کچھ شعری مجموعے 'سب رنگ، آب جو، یادیں، نیا آہنگ' اور 'زمستاں سرد مہری کا' ہیں۔ نثر میں انھوں نے اپنی آپ بیتی 'اس آباد خرابے میں' کے علاوہ چند ادبی مضامین لکھے ہیں۔ ان کا انتقال ۱۹۹۶ء میں ممبئی میں ہوا۔

کوئی جو رہتا ہے ، رہنے دو ، مصلحت کا شکار
چلو کہ جشنِ بہاراں منائیں گے سب یار
چلو نکھاریں گے اپنے لہو سے عارضِ گل
یہی ہے رسمِ وفا اور من چلوں کا شعار
جو زندگی میں ہے ، وہ زہر ہم ہی پی ڈالیں
چلو ہٹائیں گے پلکوں سے راستوں کے خار
یہاں تو سب ہی ستم دیدہ ، غم گزیدہ ہیں
کرے گا کون بھلا زخمہائے دل کا شمار
چلو کہ آج رکھی جائے گی نہادِ چمن
چلو کہ آج بہت دوست آئیں گے سرِ دار

خلاصہ : یہ ایک انقلابی نظم ہے جس میں شاعر اوروں کی پروا کیے بغیر اپنے لہو سے گلوں کو رنگ دینا اور راستے کے کانٹے ہٹا کر پھول بچھانا چاہتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ دنیا میں سب غم زدہ ہیں، کسی کو دوسرے کے زخم گننے کی فرصت نہیں مگر ہم ایک ایسا چمن بناتے ہیں جہاں آنے والے سبھی لوگ دوسروں کی خاطر خود کو قربان کرنے کے لیے تیار ہیں۔

معانی واشارات

عارضِ گل	مراد پھول	زخمہائے دل	دل کے زخم، مراد تکلیفیں
شعار	چلن، طریقہ	نہادِ چمن	باغ کی بنیاد
ستم دیدہ	دُکھ اٹھانے والا	سرِدار	سولی پر
غم گزیدہ	دُکھ کا مارا		

مشقی سرگرمیاں

* **نظم پڑھ کر ذیل کی استحانی سرگرمیوں کو ہدایات کے مطابق مکمل کیجیے۔**

۱۔ اختر الایمان سے متعلق ذیل کا رواں خاکہ مکمل کیجیے۔

جائے پیدائش کا نام ↓ [ ]

پہلے شعری مجموعے کا نام ↓ [ ]

آپ بیتی کا نام ↓ [ ]

جائے وفات ↓ [ ]

۲۔ مصلحت کے شکار لوگوں کے لیے شاعر کا ارادہ لکھیے۔

۳۔ دل کے زخموں کو شمار کرنے کے لیے کسی کے نہ ہونے کا سبب لکھیے۔

۴۔ من چلوں کے شعار کو تحریر کیجیے۔

۵۔ جشنِ بہاراں میں شامل نہ ہونے والوں کی خاصیت لکھیے۔

۶۔ اپنی پسند کا شعر نقل کر کے پسندیدگی کی وجہ تحریر کیجیے۔

۷۔ نظم کے موضوع کو قلمبند کیجیے۔

۸۔ نظم سے زیر اضافت والی ترکیبیں تلاش کر کے انھیں حروفِ اضافت کے ساتھ لکھیے۔

۹۔ ذیل کے جن الفاظ کی جمع 'زخمہا' کی طرز پر بنائی جاسکتی ہے، انھیں الگ کر کے جمع بنا کر لکھیے۔

غم ، خوشی ، گل ، نغمہ ، ہزار ، سال

۱۰۔ چلو کہ آج رکھی جائے گی نہادِ چمن
چلو کہ آج بہت دوست آئیں گے سرِ دار

اس شعر کی تشریح کیجیے۔

۱۱۔ عنوان میں تین نقطوں کے نشان کا مطلب لکھیے۔

۱۲۔ دیے ہوئے الفاظ کے ہم معنی الفاظ لکھیے۔

یار ، لہو ، گل ، زہر ، خار

* **نظم سے قافیہ تلاش کر کے لکھیے۔**

* **زیر کی اضافت والے چار ایسے نئے بامعنی الفاظ لکھیے جو دونوں اسم ہوں۔ مثال: عارضِ گل**

وضاحت : عارض یعنی گال، رخسار اور گل یعنی پھول۔ پھول کا رخسار لیکن مراد پھول ہے۔ دونوں اسم ہیں۔

* **نظم میں شاعر نے لفظ چلو ... کے ذریعے تحریک دی ہے۔ مصرع نہ لکھتے ہوئے مختصر فقرہ یا لفظ لکھیے۔**

چلو → [ ] [ ] [ ] [ ] [ ]

۸۔ سیتا

شفیق فاطمہ شعریٰ

F24AT2

پہلی بات : اسلام نے عورتوں کو وہ حقوق عطا کیے ہیں جو اس سے پہلے انھیں حاصل نہیں تھے۔ عورت ماں، بہن، بیٹی اور بیوی، ہر حیثیت میں ہمارے لیے قابلِ احترام ہے۔ علامہ اقبالؔ نے بھی کہا ہے کہ ”وجودِ زن سے ہے تصویرِ کائنات میں رنگ۔“ ہندو مذہب کی مشہور کتاب ’راماین‘ میں سیتا کا کردار ایک پاکباز بیوی کی حیثیت سے سامنے آتا ہے۔ ذیل کی نظم میں سیتا کے کردار پر ایک نئے زاویے سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ شعریٰ نے اسے تانیثی نظریے کی روشنی میں دیکھا اور ایک عورت کے جذبات کی عمدہ عکاسی کی ہے۔ تانیثی نظریے سے مراد ہے عورتوں کے تمام مسائل کو عورتوں کے تصورات و خیالات کے مطابق دیکھنا، سمجھنا اور ان کا حل تلاش کرنا۔

جان پہچان : شفیق فاطمہ شعریٰ ۱۷؍مئی ۱۹۳۰ء کو ناگپور میں پیدا ہوئیں۔ ابتدائی تعلیم انھوں نے گھر پر حاصل کی۔ بی اے کا امتحان عثمانیہ یونیورسٹی، حیدرآباد اور ایم اے کا امتحان ناگپور یونیورسٹی سے پاس کیا اور ممتاز کالج، حیدرآباد میں تدریس کے فرائض انجام دیے۔ شعریٰؔ نے ابتدا میں انگریزی نظموں کے منظوم ترجمے بھی کیے۔ وہ بنیادی طور پر نظم کی شاعرہ ہیں۔ ان کی بیشتر نظموں کا مرکزی خیال انوکھا اور اسلوب منفرد ہے۔ شعریٰؔ کی نظموں میں اسلامی تاریخ اور قرآنی واقعات کے حوالے بھی ملتے ہیں۔ انھوں نے موجودہ زمانے کے تہذیبی اور سیاسی مسائل کو بھی اپنی نظموں میں پُراثر انداز میں پیش کیا ہے۔ ’آفاقِ نو‘ اور ’گلۂ صفورا‘ ان کے شعری مجموعے ہیں۔ ’سلسلۂ مکالمات‘ کے نام سے شعریٰؔ کا کلیات شائع ہو چکا ہے۔ ۱۳؍اگست ۲۰۱۲ء کو ان کا انتقال ہوا۔

ترا نام لے کر سحر جاگتی ہے — ترے گیت گاتی ہے تاروں کی محفل
تری خاکِ پا ہند کا رازِ عظمت — تری زندگی ، میرے خوابوں کی منزل
کہانی تری سن کے تھرا اُٹھی میں — دھڑکنے لگا زور سے پھر مرا دل

وہ پیہم سفر ، وہ حوادث کے طوفاں — وہ پیروں میں چھالے ، وہ ہنستی نگاہیں
کبھی دل کو غربت میں بہلائے رکھنا — کبھی دیس کی یاد میں سرد آہیں
رہی سالہا سال تو جادہ پیما — یہ دُھن تھی کہ طے ہوں ریاضت کی راہیں

مگر آزمائش تھی کچھ اور باقی — ابھی سامنے اور بھی امتحاں تھے
اسیری پھر اک راکشس کی اسیری — بہت دور تجھ سے ترے پاسباں تھے
تری پاک فطرت مگر اک سپر تھی — ترے سامنے راکشس ناتواں تھے

اُٹھے پھر ترا نام لے کر جواں کچھ   جری ، حوصلہ مند ، سچے جیالے
ہلا ڈالے ایوان اک سلطنت کے   ترے پاسباں تھے بڑی آن والے
تری واپسی کررہی تھی یہ اعلان   کہ مٹتے نہیں ظلمتوں سے اُجالے

سہے جو ستم ، بن گئے سب فسانہ   تلافی کا اب آرہا تھا زمانہ
ہوئی ، آہ ، لیکن یہ کیسی تلافی   دوبارہ ملا جنگلوں میں ٹھکانا
صلیب ایک باقی تھی جو مامتا کی   اسے بھی تو لازم تھا تنہا اُٹھانا

عجب ہیں یہ اسرارِ وصل و جدائی   کہ منزل کو پاکر بھی منزل نہ پائی
یہ کیسا ستم تھا کہ عفت کی دیوی   ثبوت اپنی عفت کا دینے کو آئی
وہ شعلے کی مانند شعلوں سے گزری   وہ بجلی سی بن کر زمیں میں سمائی

خلاصہ : شاعرہ نے اس نظم میں سیتا کی عظمت کی کہانی سنائی ہے۔ ہندوستان میں سیتا کا اتنا احترام کیا جاتا ہے کہ ہندو صبح شام ان کا نام لیتے رہتے ہیں۔ ہندوستان کی عظمت سیتا ہی کے دم سے ہے۔ جب شاعرہ نے سیتا کے حالات سنے تو وہ گھبرا گئیں۔ انھیں پتا چلا کہ سیتا کی زندگی کا بڑا زمانہ سفر کی تکلیفوں میں گزرا۔ انھیں گھر سے بے گھر ہونا پڑا۔ طرح طرح کی آزمائشوں سے وہ گزریں۔ لنکا کے راجا راوَن نے ان کا اغوا کر کے انھیں قید کر دیا مگر سیتا کی ہمت نہ ڈگمگائی۔ انھیں راوَن کی قید سے آزاد کرنے کے لیے ان کے شوہر رام چندر جی نے ایک فوج کے ساتھ راوَن پر حملہ کر دیا اور اسے شکست دی۔ سیتا اس قید سے چھوٹ کر اور چَودہ برس جنگل میں گزار کر اپنے گھر آئیں مگر یہاں بھی ان کے لیے ایک آزمائش تیار تھی۔ یہاں ایک عام آدمی کی ضد پر ان کی عزت اور پاکیزگی کا ثبوت مانگا گیا۔ انھیں آگ سے زندہ گزرنا پڑا۔ ایسی حالت میں سیتا نے دعا کی چنانچہ زمین پھٹ گئی اور سیتا اس میں سما گئیں۔

معانی واشارات

پیہم	-	متواتر، پے در پے، لگا تار
حوادث	-	حادثہ کی جمع، واقعہ، سانحہ، صدمہ
غربت	-	بے وطنی، مسافرت
جادہ پیما	-	راستہ چلنے والا
ریاضت	-	سخت عبادت
اسیری	-	قید
سپر	-	ڈھال، آڑ، مددگار
راکشس	-	دیو، شیطان مراد لنکا کا راجا راوَن
جری	-	نڈر، بہادر، شیر دل
ایوان	-	محل
تلافی	-	اچھا بدلہ
صلیب اُٹھانا	-	مصیبت برداشت کرنا
اسرار	-	سِر کی جمع، بھید، پوشیدہ باتیں
عفت کی دیوی	-	پاکیزگی کی دیوی مراد سیتا

مشقی سرگرمیاں

* نظم کا بغور مطالعہ کیجیے اور ذیل کی استحسانی سرگرمیوں کو ہدایات کے مطابق مکمل کیجیے۔

۱۔ 'جان پہچان' کے حوالے سے شاعرہ کے تعارف کا ویب خاکہ مکمل کیجیے۔

شاعرہ
- نام
- تخلص
- گریجویشن
- پوسٹ گریجویشن
- تدریس
- کلیات

شفیق فاطمہ شعریٰؔ کے شعری مجموعے

۲۔ سیتا کے نام اور کام سے متعلق شاعرہ کے احساسات کو قلمبند کیجیے۔

۳۔ اُس رزمیہ داستان کا نام لکھیے 'سیتا' جس کا اہم کردار ہے۔

۴۔ نظم کے واقعات کو ترتیب سے لکھیے۔

۵۔ سیتا سے متعلق اپنی معلومات کو نکات کی شکل میں لکھیے۔

۶۔ راکشس کے خلاف لڑنے والوں کی خصوصیات لکھیے۔

۷۔ نظم کے مطابق سیتا نے جن مصیبتوں کو جھیلا، ان کا اظہار کرنے والے اشعار نقل کیجیے۔

۸۔ بن باس کے دوران سیتا کی حالت بیان کیجیے۔

۹۔ نظم سے اپنے پسندیدہ بند کا مفہوم واضح کرکے پسندیدگی کی وجہ لکھیے۔

۱۰۔ ممتا کی صلیب کا مفہوم واضح کیجیے۔

۱۱۔ نظم میں سیتا کے لیے جو القاب استعمال کیے گئے ہیں، انھیں لکھیے۔

* ذیل کے ہم معنی الفاظ نظم میں تلاش کیجیے :

بے وطنی ، عبادت ، پے در پے ، محافظ ، بہادر ، کمزور لاغر ، گھڑا ہوا قصہ ، راز بھید

* درج ذیل شعر کی صنعت پہچان کر لکھیے۔

اسیری پھر اک راکشس کی اسیری
بہت دور تجھ سے ترے پاسباں تھے

* درج ذیل شعر کی صنعت لکھیے۔

عجب ہیں یہ اسرارِ وصل و جدائی
کہ منزل کو پاکر بھی منزل نہ پائی

* درج ذیل میں دیے ہوئے بیانات پڑھیے اور ان سے متعلق شعر ڈھونڈ کر لکھیے۔

۱۔ چودہ سال کے بن باس کے دوران یہ کوشش رہی کہ یہ امتحان کے دن گزر جائیں۔

۲۔ پاکیزگی ہی ڈھال رہی۔ اس صفت کے آگے ظالم بھی کمزور تھے۔

۳۔ ماں کی ممتا ہر مصیبت کو تنہا برداشت کر لیتی ہے۔

۴۔ اگنی پریکشا سے گزر کر زمین میں زندہ دفن ہوگئیں۔

اضافی معلومات

نشاط النساء بیگم

(ولادت : ۱۸۸۵ء – وفات : ۱۸/اپریل ۱۹۳۷ء) مولانا حسرتؔ موہانی کی اہلیہ تھیں۔ ان کے والد کا نام سیّد بشیر موہانی تھا جو رائے پور (ریاست حیدرآباد دکن) میں ہائی کورٹ کے وکیل تھے۔ زمانۂ طالب علمی میں مولانا حسرتؔ موہانی سے ان کی شادی ہوگئی۔ ۱۹۰۸ء میں جب انگریزی حکومت نے حسرتؔ موہانی کو 'اُردوئے معلیٰ' میں اپنی مخالفت میں مضمون کی اشاعت پر گرفتار کر کے جیل بھیج دیا تو نشاط النساء بیگم نے نہایت صبر و استقلال کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہر طرح کی تکلیف برداشت کی۔ گھریلو اُمور کی انجام دہی کے علاوہ حسرتؔ موہانی کے مقدمات کی پیروی بھی کرتی رہیں۔ وہ آل انڈیا کانگریس کی ورکنگ کمیٹی کی رکن بھی تھیں۔

۹۔ غزل - ۱

سراؔج اورنگ آبادی

پہلی بات : سراؔج کے زمانے کی اُردو زبان پر دکنی کے اثرات ہیں۔ بولنے کے ساتھ ساتھ اس زبان کا املا بھی آج کے املے سے مختلف تھا۔ جیسے مجھ/ مج، کو/کوں، تک/ تلک وغیرہ۔ ہمیں اپنی زبان کی قدیم صورت، اس کے تلفظ اور مزاج سے بھی واقف ہونا چاہیے۔ ذیل کی غزل میں اس کی اچھی مثالیں موجود ہیں۔

جان پہچان : سیّد شاہ سراج الدین سراؔج ۱۷۱۲ء میں اورنگ آباد (مہاراشٹر) میں پیدا ہوئے۔ سراؔج کو صوفی شاعر کہا جاتا ہے۔ وہ مزاجاً اور عملاً صوفی تھے مگر ان کی شاعری پر تصوف کا غلبہ نظر نہیں آتا۔ وہ زندگی کو ایک عاشق کی نظر سے دیکھتے تھے۔ فارسی شعر وادب سے انھیں بہت لگاؤ تھا۔ شاعری میں انھیں استادانہ مہارت حاصل تھی۔ ولؔی کے بعد وہ دکن کے سب سے نامور شاعر ہوئے۔ انھوں نے غزل کے علاوہ مرثیے، قصیدے، رباعیات، خمسے اور مثنویاں بھی لکھی ہیں۔ ان کا انتقال ۱۷۶۳ء میں اورنگ آباد میں ہوا۔

اوّل کی ، تم نے بھول گئے مہربانیاں   لانے لگے ہو خوب تغافل کی بانیاں

کیا ہووے گا ، سنوگے اگر کان دھر کے تم   گزری بِرہ کی رات جو مُج پر کہانیاں

دامن تلک بھی ہائے ، مجھے دسترس نہیں   کیا خاک میں ملی ہیں مری جاں فشانیاں

داغِ فراق ، لالۂ باغِ خیال ہے   رہ گئیں مرے جگر میں تمھاری نشانیاں

شاید کسی کے قتل کی ہوتی ہے مصلحت   رمزیں تری نگاہ کی سب ہم نے جانیاں

مُج دل کے کوہِ طور کوں ، سرمہ کیے ہو تم   باقی ہیں اب تلک بھی وہی لن ترانیاں

کب لگ روا رکھوگے تغافل سراؔج پر
اب اس قدر بھی خوب نہیں سرگرانیاں

معانی واشارات

- اوّل کی - پہلے کی
- تغافل - بے توجہی، غفلت کرنا
- بانیاں - باتیں
- کان دھر کے - توجہ سے
- بِرہ - ہجر، جدائی
- جاں فشانیاں - جان کی تکلیفیں
- داغِ فراق - جدائی کا غم
- لالۂ باغِ خیال - تصوّر کے باغ کا پھول
- رمزیں - رمز کی جمع، اشارے
- جانیاں - جانتے ہیں
- کؤں - کو
- لن ترانیاں - اکڑ، غرور، یہ کلمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ سے اس وقت کہا تھا جب آپ نے کوہِ طور پر اللہ تعالیٰ سے کہا کہ میں تجھے دیکھنا چاہتا ہوں۔
- سرمہ کرنا - توڑ دینا، شکست دینا، ریزہ ریزہ کرنا
- کب لگ - کب تک
- سرگرانیاں - اکڑ

مشقی سرگرمیاں

* غزل پڑھ کر ذیل کی سرگرمیوں کو ہدایات کے مطابق مکمل کیجیے۔

۱۔ غزل کی دو خصوصیات کو واضح کیجیے۔
۲۔ قتل کی مصلحت سے متعلق شاعر کا خیال بیان کیجیے۔
۳۔ 'شاعر کے جل کر مرجانے کے بعد بھی محبوب اپنا جلوہ دِکھانے کو تیار نہیں ہے۔' اس مفہوم کے شعر کو نقل کیجیے۔
۴۔ غالب کے شعر؎

بے نیازی حد سے گزری بندہ پرور کب تلک
ہم کہیں گے حالِ دِل اور آپ فرماویں گے کیا

کے مفہوم والے شعر کو نقل کیجیے۔
۵۔ غزل کے قوافی سے ایسے قافیے نقل کیجیے جن کے واحد بنائے جاسکیں۔
۶۔ غزل سے صنعتِ استعارہ کا شعر نقل کیجیے اور مستعار لۂ اور مستعار منۂ کو خط کشیدہ کیجیے۔
۷۔ صنعتِ تلمیح کا شعر لکھ کر واقعہ تحریر کیجیے۔

* درج ذیل شعر کی تشریح مختصراً اپنے الفاظ میں تحریر کیجیے۔

دامن تلک بھی ہائے ، مجھے دسترس نہیں
کیا خاک میں ملی ہیں میری جاں فشانیاں

* داغِ فراق یعنی جدائی کا غم ...اس طرح زیر اضافت کے ساتھ چار نئے الفاظ بنائیے۔

* 'باقی ہیں اب تلک بھی وہی لن ترانیاں'
مصرع میں خط کشیدہ لفظ کے ایک معنی ڈینگیں مارنا بھی ہے۔اس معنی کی روشنی میں مصرع کی وضاحت کیجیے۔

* جان پہچان کی مدد سے شاعر کا شبکی خاکہ مکمل کیجیے۔

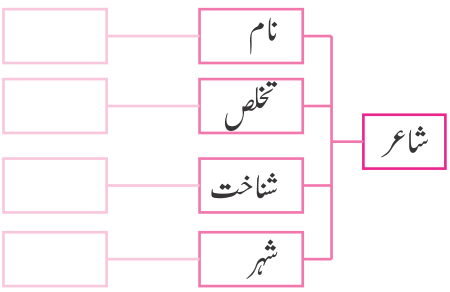

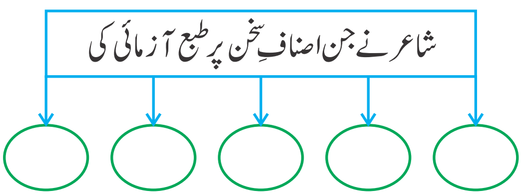

غزل - ۲

میر دردؔ

پہلی بات : شاعری میں ہمیں کئی اشعار ایسے بھی مل جاتے ہیں جنھیں سن کر ہم سوچ میں پڑ جاتے ہیں کہ شاعر نے یہ بات کس سے کہی ہے یا کس کے تعلق سے کہی ہے۔ عشقِ الٰہی میں کہے گئے اشعار کو عشقِ حقیقی کا نام دیا گیا ہے، محبوب سے تعلق کی بات عشقِ مجازی کہلاتی ہے۔ بعض اشعار دونوں مفاہیم کو ادا کرتے ہیں۔ یہ صوفیانہ شاعری کا طرزِ اظہار ہے۔ تصوف کا مقصد خدا اور بندے کے تعلق کو مضبوط کرنا ہے۔ میر دردؔ کے اکثر اشعار تصوف کے رنگ میں ڈوبے ہوئے ہیں۔

جان پہچان : میر دردؔ کا نام سیّد خواجہ میر تھا۔ وہ ۱۷۲۱ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ ان کی پرورش مذہبی ماحول میں ہوئی تھی۔ دردؔ نے عربی و فارسی کی تعلیم حاصل کی۔ وہ جوانی ہی میں درویشی اختیار کر چکے تھے۔ فکر و خیال اور سیرت وعمل کے اعتبار سے ان کی زندگی پاکیزگی کی مثال تھی۔ صوفیانہ شاعری میں دردؔ کا ایک ممتاز مقام ہے۔ ان کے اُردو دیوان میں تقریباً پندرہ سو اشعار ملتے ہیں۔ ان کے کلام میں سادگی اور روانی کے ساتھ پاکیزگی بھی پائی جاتی ہے۔ ۱۷۸۵ء میں ان کا انتقال ہوا۔

عشق ہر چند مری جان سدا کھاتا ہے
پر یہ لذت تو وہ ہے ، جی ہی جسے پاتا ہے

آہ ، کب تک میں بکوں ، تیری بَلا سنتی ہے
باتیں لوگوں کی جو کچھ دل مجھے سنواتا ہے

ہم نشیں ، پوچھ نہ اس شوخ کی خوبی مجھ سے
کیا کہوں تجھ سے ، غرض جی کو مرے بھاتا ہے

بات کچھ دِل کی ہمارے تو نہ سُلجھی ہم سے
آپ خوش ہووے ہے پھر آپ ہی گھبراتا ہے

جی کڑا کرکے ترے کوچے سے جب جاتا ہوں
دلِ دشمن یہ مجھے گھیر کے پھر لاتا ہے

دردؔ کی قدر مرے یار سمجھنا ، واللہ
ایسا آزاد ترے دام میں یوں آتا ہے

معانی واشارات

ہر چند	-	ہر حال میں
جان کھانا	-	تکلیف دینا، پریشان کرنا
تیری بلا سنتی ہے	-	مراد تو نہیں سنتا
واللہ	-	اللہ کی قسم
دام میں لانا	-	پھنسا دینا

مشقی سرگرمیاں

* غزل کا بغور مطالعہ کرکے ذیل کی سرگرمیوں کو ہدایات کے مطابق مکمل کیجیے۔

۱۔ شاعر اپنے محبوب کو جن ناموں سے یاد کرتا ہے لکھیے۔
۲۔ شاعر کے دل کو دشمن کہنے کا سبب تحریر کیجیے۔
۳۔ عشق جان کھاتا ہے، شاعر پھر بھی عشق کرتا ہے۔ وجہ بیان کیجیے۔
۴۔ دل کے معاملے میں شاعر کی پریشانی واضح کیجیے۔
۵۔ درد کی قدر کرنے کی نصیحت کا راز بیان کیجیے۔
۶۔ غزل کے عمومی موضوع کو واضح کیجیے۔
۷۔ غزل سے ردیف / قافیے ترتیب وار لکھیے۔
۸۔ غزل سے تین محاوروں کو تحریر کیجیے۔

* ذیل کے شعر کی تشریح اپنے لفظوں میں کیجیے۔

ہم نشیں ، پوچھ نہ اس شوخ کی خوبی مجھ سے
کیا کہوں تجھ سے ، غرض جی کو مرے بھاتا ہے

* شعر لکھیے۔

مقطع ....

مطلع ....

* غزل کے دو مصرعوں میں شاعر نے لفظ 'جی' استعمال کیا ہے۔ جی سے مراد ....

* 'عشق ہر چند مری جان سدا کھاتا ہے' مصرعے کی روشنی میں عشق کی وضاحت کیجیے۔

اُردوئے معلّٰی (مکاتیب)

غالبؔ کے خطوط کا یہ مجموعہ ان کی وفات کے چار مہینے بعد شائع ہوا تھا۔ اب تک اس کے متعدد ایڈیشن نکل چکے ہیں۔ مولوی مہیش پرشاد نے مطبوعہ خطوط کا مقابلہ اصل خطوط سے کرکے ایک نسخہ مرتب کیا تھا جس کی صرف پہلی جلد شائع ہوسکی۔ لاہور میں مولانا غلام رسول مہرؔ نے غالبؔ کے تمام اُردو خطوط تاریخ وار مرتب کرکے ایک مجموعہ چھاپا تھا۔ 'اُردوئے معلّٰی' خاصی مدت تک برعظیم کے فوجی اور شہری عہدوں کے انگریز اُمیدواروں کے امتحان (آنرز) کے لیے بطور نصاب مقرر رہا اور اُردو گائیڈ پریس کلکتہ نے ۱۸۸۳ء میں اس کا ایک نہایت عمدہ نسخہ ان اُمیدواروں کے لیے ٹائپ میں شائع کردیا۔ اب یہ ایڈیشن نایاب ہے۔ کتاب کی پشت پر یہ انگریزی عبارت تھی: For the Degree of Honours Examination in Urdu. For Officers in the Military and Civil Services.

اُردوئے معلّٰی (ماہنامہ)

مولانا حسرتؔ موہانی کا یہ رسالہ اُنیسویں صدی کے آغاز میں علی گڑھ سے جاری ہوا تھا۔ اگرچہ اس کا اصل مقصد اُردو علم و ادب کی خدمت تھا لیکن اس میں ابتدا ہی سے سیاسی مضامین بھی چھپنے لگے تھے۔ مولانا حسرتؔ کا عقیدہ تھا کہ آزادی اہلِ ملک کا حق ہے اور حق کے اظہار میں باک نہ ہونا چاہیے۔ 'اُردوئے معلّٰی' بھلے برے طریق پر جاری رہا۔ پھر مولانا نے علیٰحدہ سے 'استقلال' کے نام سے ایک مختصر اخبار جاری کرلیا تھا جس میں سیاسی مضامین چھپتے تھے۔ بیشتر اُردو اساتذۂ شعر کے انتخابات ترتیب وار 'اُردوئے معلّٰی' میں شائع ہوتے رہے۔ اس طرح اُردو اشعار کا بہت بڑا ذخیرہ اس اخبار کی بدولت محفوظ ہوگیا۔ مولانا نے حجازِ مقدس اور یورپ کے سفر کیے تھے جن کی روداد یں 'اُردوئے معلّٰی' میں چھپتی تھیں۔ مولانا کا کلام بھی اوّلاً اسی میں شائع ہوتا تھا۔

غزل - ۳

شیخ غلام ہمدانی مصحفؔی

پہلی بات : مختلف شاعروں کے موضوعات میں لب و لہجے اور لفظیات کے اعتبار سے فرق پایا جاتا ہے۔ دہلی اور لکھنؤ کے شاعروں میں یہ فرق نمایاں طور پر دیکھا جا سکتا ہے۔ لکھنؤ کی سرزمین سے اُبھرنے والے شاعروں کے ہاں لفظوں کا انتخاب اور زبان کو سنوارنے کا خاص اہتمام ملتا ہے۔ اس کے برعکس دہلی میں خیال کی سادگی کے اعتبار سے شاعری نے اپنا مخصوص انداز اختیار کیا۔ مصحفؔی کے ہاں دہلی اور لکھنؤ کے رنگ نمایاں ہیں۔

جان پہچان : مصحفؔی کی پیدائش ۱۷۴۷ء میں اکبر پور (امروہہ) میں ہوئی۔ یہیں انھوں نے ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ پھر اعلیٰ تعلیم کی غرض سے وہ دلّی گئے۔ دلّی میں ان کی شاعری کو فروغ حاصل ہوا۔ اس شہر کی تباہی کے بعد وہ لکھنؤ آ کر شہزادہ مرزا سلیمان شکوہ کے ملازم ہو گئے۔ مصحفؔی ایک قادرالکلام شاعر تھے۔ وہ اُردو، فارسی کے علاوہ عربی پر بھی عبور رکھتے تھے۔

مصحفؔی کے کلام میں ملکی خصوصیات اور مقامی رنگ کے علاوہ حب الوطنی کا جذبہ خاص طور پر نمایاں ہے۔ ان کی چند مثنویاں مشہور ہیں جن میں 'سردی، اجوائن، غریب خانۂ مصحفؔی، مودی خانہ' وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔ فارسی اور اُردو میں ان کے آٹھ دیوان شائع ہو چکے ہیں۔ ان کا انتقال ۱۸۲۴ء میں ہوا۔

نہ گیا کوئی عدم کو ، دلِ شاداں لے کر
یاں سے کیا کیا نہ گئے حسرت و ارماں لے کر

باغ وہ دشتِ جنوں تھا کہ کبھی جس میں سے
لالہ و گل گئے ثابت نہ گریباں لے کر

پردۂ خاک میں سو سو رہے جا کر ، افسوس
پردہ رخسار پہ کیا کیا ، مہِ تاباں لے کر

ابر کی طرح سے کر دیویں گے عالم کو نہال
ہم جدھر جاویں گے یہ دیدۂ گریاں لے کر

پھر گئی سوئے اسیرانِ قفس ، بادِ صبا
خبرِ آمدِ ایامِ بہاراں لے کر

رنج پر رنج جو دینے کی ہے خو قاتل کی
ساتھ آیا ہے بہم تیغ و نمک داں لے کر

مصحفؔی گوشۂ عزلت کو سمجھ تختِ شہی
کیا کرے گا تو عبث ملکِ سلیماں لے کر

معانی و اشارات

دلِ شاداں - خوش دل
نہال کرنا - خوش کرنا
دیدۂ گریاں - روتی ہوئی آنکھ

سوئے اسیرانِ قفس - پنجرے کے قیدیوں کی طرف	گوشۂ عزلت - تنہائی کا کونا
خبرِ آمدِ ایامِ بہاراں - بہار کے موسم کی آمد کی خبر	تختِ شہی - شاہی تخت
	عبث - بیکار

مشقی سرگرمیاں

* **غزل کا بغور مطالعہ کرکے ذیل کی سرگرمیوں کو ہدایات کے مطابق مکمل کیجیے۔**

ا۔ عدم کے مسافر کے ہم سفروں کے نام لکھیے۔

۲۔ 'خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہوگئیں' کے مفہوم والے مصرعے نقل کیجیے۔

۳۔ قاتل کے تیغ و نمک داں ساتھ لانے کا سبب لکھیے۔

۴۔ بادِ صبا کے موسمِ بہار کی خبر لے جانے کا مقام لکھیے۔

۵۔ غزل سے ایسے اشعار کو شناخت کیجیے جن میں شاعر اپنے بارے میں کچھ کہہ رہا ہے۔

۶۔ مقطع کا مطلب واضح کیجیے۔

۷۔ غزل سے صنعتِ تشبیہ کا شعر نقل کرکے مشبّہ اور مشبّہ بہ کو نشان زد کیجیے۔

۸۔ غزل سے صنعتِ تلمیح کا شعر لکھیے۔

* **مصحفی کی غزل سے مبالغے کا شعر تلاش کرکے لکھیے۔**

* **شعر کی تشریح کیجیے۔**

نہ گیا کوئی عدم کو ، دل شاداں لے کر
یاں سے کیا کیا نہ گئے حسرت و ارماں لے کر

* **فقرے کے لیے مناسب لفظ لکھیے۔**

جیسے روتی ہوئی آنکھ - دیدۂ گریاں

ا۔ دیکھنے والی آنکھ ۲۔ دل کی آنکھ

اضافی مطالعہ

مخففّات و نشانات

اس کتاب میں اُردو لکھنے کے لیے جو رسم الخط استعمال کیا گیا ہے، اسے نستعلیق کہتے ہیں۔ اس طرزِ تحریر میں چند مخصوص مخففّات اور نشانات کا چلن عام ہے۔ ان کی معلومات آپ کو اُردو پڑھتے وقت مددگار ثابت ہوگی۔

.1	ـبـ	بیت/شعر کا نشان	مکمل شعر یا بند لکھنے سے پہلے بنایا جاتا ہے۔
.2	ع / ء / ع	مصرع کا نشان	مصرع لکھنے سے پہلے بنایا جاتا ہے۔
.3	ـــ	اسے خطِ بت کہا جاتا ہے۔	یہ نشان شاعر کے تخلص پر بنایا جاتا ہے۔
.4	و-الف	'ورق اُلٹیے' کا مخفف ہے۔	تحریر میں ورق کی آخری سطر کے بعد لکھا جاتا ہے۔ انگریزی مخفف PTO (Please turn over) کا متبادل ہے۔
.5	الخ	یہ 'اِلٰی آخرۂ' کا مخفف ہے یعنی عبارت کے آخر تک	عبارت یا شعر کو مکمل نقل کرنے کی بجائے عبارت کے ابتدائی الفاظ لکھ کر اسے لکھا جاتا ہے۔ اس سے مکمل عبارت مراد ہوتی ہے۔
.6	...	کم سے کم تین یا تین سے زائد نقطے	عبارت یا متن سے کسی لفظ یا کسی حصے کو حذف یا ختم کرتے ہوئے ان کی جگہ یہ نشان بنایا جاتا ہے۔

(صفحہ ۹۰ پر جاری)

غزل - ۴

فانؔی بدایونی

پہلی بات : ہندی کے کسی شاعر نے کہا ہے۔

جہاں نہ پہنچے روی وہاں پہنچے کوی

یعنی سورج جہاں نہیں پہنچ پاتا، شاعر اپنی سوچ اور تخیل کی مدد سے وہاں پہنچ جاتا ہے۔ شاعری میں انسان، زندگی اور کائنات کے بارے میں عجیب وغریب خیالات ملتے ہیں جو ہمیں محسوسات کی ایک الگ دنیا میں لے جاتے اور غور وفکر پر آمادہ کرتے ہیں۔ فانؔی بدایونی کی اس غزل میں بھی ایسی ہی بصیرت افروز باتیں بیان کی گئی ہیں۔

جان پہچان : فانؔی کا اصل نام شوکت علی خان تھا۔ وہ ۱۸۷۹ء میں اُتر پردیش کے ضلع بدایوں میں پیدا ہوئے۔ بریلی کالج سے بی اے پاس کرنے کے بعد وہ کچھ عرصے تک مدرّس رہے۔ بعد میں ملازمت ترک کر کے علی گڑھ میں ایم اے او کالج (موجودہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی) سے ایل ایل بی کی ڈگری حاصل کی۔ ۱۹۳۲ء میں مہاراجا کشن پرساد کی دعوت پر حیدرآباد پہنچے۔ وہاں ایک سرکاری اسکول میں ہیڈ ماسٹر ہو گئے۔ ۱۹۴۱ء میں حیدرآباد میں ان کا انتقال ہوا۔ فانؔی کی شاعری میں درد وغم کے مضامین کی کثرت کے سبب فانؔی کو 'یاسیت کا امام' کہا جاتا ہے۔ 'عرفانیاتِ فانؔی، وجدانیاتِ فانؔی' اور 'باقیاتِ فانؔی' ان کے شعری مجموعے ہیں۔

خلق کہتی ہے جسے دل ترے دیوانے کا ایک گوشہ ہے یہ دنیا اسی ویرانے کا

اک معمّا ہے ، سمجھنے کا نہ سمجھانے کا زندگی کاہے کو ہے ، خواب ہے دیوانے کا

زندگی بھی تو پشیماں ہے یہاں لا کے مجھے ڈھونڈتی ہے کوئی حیلہ مرے مر جانے کا

تم نے دیکھا ہے کبھی گھر کو بدلتے ہوئے رنگ آؤ ، دیکھو نا ، تماشا مرے غم خانے کا

دل سے پہنچی تو ہیں آنکھوں میں ، لہو کی بوندیں سلسلہ شیشے سے ملتا تو ہے پیمانے کا

ہر نفس عمرِ گزشتہ کی ہے میّت ، فانؔی
زندگی نام ہے مر مر کے جیے جانے کا

معانی واشارات

پشیماں – شرمندہ
حیلہ – بہانہ
عمرِ گزشتہ – گزری ہوئی عمر

مشقی سرگرمیاں

* غزل پڑھ کر ذیل کی سرگرمیوں کو ہدایات کے مطابق مکمل کیجیے۔

۱۔ شاعر کے مطابق دنیا کی حیثیت لکھیے۔
۲۔ زندگی کے متعلق فانؔی کا نظریہ بیان کیجیے۔
۳۔ اس عمل کو واضح کیجیے جس سے شاعر کی زندگی کو پشیمانی ہورہی ہے۔
۴۔ دل اور آنکھوں کے لیے استعمال کیے گئے استعاروں کو لکھیے۔
۵۔ 'غزل میں ایک قسم کی نااُمیدی اور یاسیت کی فضا بنتی ہے۔' اس بیان کی موافقت دو مثالوں سے ثابت کیجیے۔

* شاعر سے متعلق معلوماتی خاکہ مکمل کیجیے۔

شاعر	
نام	
تخلص	
وکالت	
صدر مدرّسی	

فانؔی بدایونی کے شعری مجموعے

* فانؔی بدایونی سے متعلق رواں خاکہ مکمل کیجیے۔

۱۸۷۹ء	
۱۹۳۲ء	
۱۹۴۱ء	

* ہدایت کے مطابق شعر لکھیے۔

مطلع	
حسنِ مطلع	
مقطع	
صنعتِ استعارہ	

* ذیل کے شعر کی تشریح اپنے لفظوں میں کیجیے۔

زندگی بھی تو پشیماں ہے یہاں لا کے مجھے
ڈھونڈتی ہے کوئی حیلہ مرے مر جانے کا

(صفحہ ۸۸ سے آگے)

اضافی مطالعہ

مخففّات ونشانات

اس کتاب میں اُردو لکھنے کے لیے جو رسم الخط استعمال کیا گیا ہے، اسے نستعلیق کہتے ہیں۔ اس طرزِ تحریر میں چند مخصوص مخففات اور نشانات کا چلن عام ہے۔ ان کی معلومات آپ کو اُردو پڑھتے وقت مددگار ثابت ہوگی۔

.7	" ___"___	اس کا نام 'ایضاً' ہے۔ Ditto یا do کا بدل	عبارت کو دوبارہ نقل کرنے کی بجائے یہ نشان بنایا جاتا ہے یعنی حسبِ بالا/ اوپر کی طرح/
.8	/	ترچھا خط/ لکیر	تحریر میں رقم، تاریخ یا وزن کے ہندسے لکھنے کے بعد اور کبھی کبھی دو یکساں چیزوں کے درمیان یا/ or کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے۔
.9	ؑ	علیہ السلام کا مخفف	قرآن میں مذکور تمام انبیا یا پیغمبروں کے ناموں کے بعد یا اوپر یہ نشان لگایا جاتا ہے۔ اسے دیکھ کر ہمیں مکمل علیہ السلام پڑھنا چاہیے۔

غزل - ۵

معین احسن جذبیؔ

پہلی بات : ہماری روزمرہ زندگی میں جہاں ہمیں راحتیں اور خوشیاں میسر آتی ہیں، وہیں دُکھوں اور پریشانیوں کا بھی سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ہم اپنا غم کسی کو سنا دیں تو دل کا بوجھ اُتر جاتا ہے۔ غزلوں میں غمِ جاناں یعنی محبت کے غم بیان کیے جاتے ہیں، وہیں غمِ دوراں یعنی زمانے کی مشکلات کا بیان بھی ملتا ہے۔ شاعر اپنے دکھوں کا اظہار اس طرح کرتا ہے کہ ہم متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتے۔ جذبیؔ کی غزل اسی انداز کی نمائندگی کرتی ہے۔

جان پہچان : معین احسن جذبیؔ ۱۹۱۲ء میں مبارک پور، ضلع اعظم گڑھ میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے جھانسی، لکھنؤ، آگرہ اور دہلی میں تعلیم حاصل کی۔ ایم اے پاس کرنے کے بعد ملازمت کی غرض سے مختلف شہروں میں قیام کیا۔ پھر شعبۂ اُردو کے استاد کی حیثیت سے وہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے وابستہ ہوگئے۔ معین احسن جذبیؔ کو بچپن ہی سے شاعری کا شوق تھا۔ 'فروزاں'، 'سخنِ مختصر' اور 'گدازِ شب' ان کے شعری مجموعے ہیں۔ انھیں اقبالؔ سمّان اور غالبؔ ایوارڈ سے سرفراز کیا گیا تھا۔ جذبیؔ ترقی پسند دور کے اہم شعرا میں شمار کیے جاتے ہیں۔ ان کی شاعری کا خاص وصف ان کے لہجے کا دھیما پن اور حزن آمیز غنائیت ہے۔ ۲۰۰۵ء میں علی گڑھ میں ان کا انتقال ہوا۔

عیش سے کیوں خوش ہوئے ، کیوں غم سے گھبرایا کیے
زندگی کیا جانے کیا تھی اور کیا سمجھا کیے

ناخدا بے خود ، فضا خاموش ، ساکت موجِ آب
اور ہم ساحل سے تھوڑی دور پر ڈوبا کیے

وہ ہوائیں ، وہ گھٹائیں ، وہ فضا ، وہ اُس کی یاد
ہم بھی مضرابِ اَلم سے سازِ دل چھیڑا کیے

مختصر یہ ہے ہماری داستانِ زندگی
اک سکونِ دل کی خاطر عمر بھر تڑپا کیے

کاٹ دی یوں ہم نے ، جذبیؔ ، راہِ منزل کاٹ دی
گر پڑے ہر گام پر ، ہر گام پر سنبھلا کیے

معانی واشارات

ناخدا	-	ملاح، رہنما	
ساکت	-	بے حرکت، خاموش	
مضرابِ الم	-	دکھ کو اُبھارنے والا	
گام	-	قدم	

مشقی سرگرمیاں

* غزل کا بغور مطالعہ کرکے ذیل کی سرگرمیوں کو ہدایات کے مطابق مکمل کیجیے۔

۱۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں جذبی کی حیثیت لکھیے۔
۲۔ شاعر کے زندگی کو نہ سمجھنے کا سبب بیان کیجیے۔
۳۔ شاعر کے ڈوبنے کا منظر اپنے لفظوں میں بیان کیجیے۔
۴۔ شاعر کی داستانِ حیات کے دو تضادات کو بیان کیجیے۔
۵۔ غزل سے استعارے کا شعر نقل کرکے مستعار منہٗ اور مستعار لہٗ کو نشان زد کیجیے۔
۶۔ شاعر کے زندگی گزارنے کے انداز کو بیان کیجیے۔
۷۔ غزل کے حوالے سے جذبی کی شاعری کے خاص وصف 'حزن آمیز غنائیت' پر روشنی ڈالیے۔
۸۔ اپنے پسندیدہ شعر کی تشریح اپنے لفظوں میں کیجیے۔
۹۔ غزل کے ردیف اور قافیوں کی فہرست بنائیے۔

* شبکی خاکہ مکمل کیجیے۔

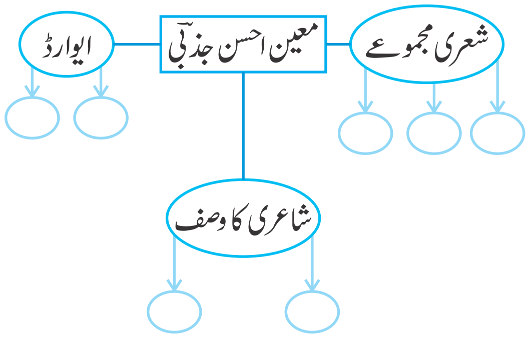

* ہدایت کے مطابق عمل کیجیے۔

۱۔ ایسا مصرع لکھیے جس میں ہم معنی الفاظ آئے ہیں۔
۲۔ وہ مصرع لکھیے جس میں دُکھ کی داستان بیان کی گئی ہے۔
۳۔ وہ مصرع لکھیے جس میں سکون کے لیے مسلسل پریشان رہے۔
۴۔ وہ مصرع لکھیے جس میں گرنے، سنبھلنے کا تذکرہ ہے۔

اضافی معلومات

نظم

'نظم' عربی زبان کا لفظ ہے۔ لغت میں اس کے معنی ہیں 'لڑی میں موتی پرونا'۔ ادبی اصطلاح کے طور پر 'نظم' کا لفظ دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ ایک تو یہ لفظ نثر کی ضد کے طور پر بولا جاتا ہے یعنی ہر وہ کلام جو نثر نہ ہو، نظم ہے۔ دوسرے مفہوم کے مطابق نظم شاعری کی اس صنف کو کہتے ہیں جس میں کسی خاص موضوع پر تسلسل کے ساتھ اظہارِ خیال کیا جائے۔ موجودہ دور میں ہیئت کے اعتبار سے نظم کی تین قسمیں مقرر کی گئی ہیں: پابند نظم، معریٰ نظم اور آزاد نظم۔ پابند نظم ایسی نظم ہے جس میں بحر کے استعمال اور قافیوں کی ترکیب میں مقررہ اُصولوں کی پابندی کی گئی ہو۔ مربع، مخمس، مسدس، ترکیب بند، ترجیع بند، گیت وغیرہ بھی پابند نظم کی ہی مختلف شکلیں ہیں۔ معریٰ نظم ایسی نظم ہے جس کے تمام مصرعے وزن کے لحاظ سے برابر ہوں مگر اس میں قافیے نہیں استعمال کیے جاتے۔ آزاد نظم ایسی نظم ہے جس میں نہ تو قافیے کی پابندی کی گئی ہو اور نہ بحر کے استعمال میں مروّجہ اُصولوں کا لحاظ رکھا گیا ہو بلکہ مصرعے چھوٹے بڑے ہوں۔ اُردو میں آزاد نظم کا رواج انگریزی نظم کی تقلید سے ہوا۔ اُنیسویں صدی کے اواخر میں جب ہندوستان میں انگریزوں کا عمل دخل بڑھا اور انگریزی زبان و ادب کے اثرات بڑھنے لگے تو ان کے نتیجے میں آزاد نظم کا چلن بھی اُردو میں عام ہوا۔ روایت کی پاسداری کرنے والوں نے اُردو میں آزاد نظم کی قبولیت کو ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھا لیکن رفتہ رفتہ آزاد نظم نے ہماری ادبی تاریخ میں اپنی مستقل جگہ بنالی۔ ان دنوں معریٰ اور آزاد نظم کے ساتھ ساتھ نثری نظم بھی اُردو میں عام ہوتی جارہی ہے۔

غزل - ٦

راجندر منچندہ بانیؔ

پہلی بات : غزل کی شاعری میں یوں تو ہر طرح کے مضامین نظم کیے جاتے ہیں لیکن شاعران میں زیادہ تر اپنی ذات پر گزرنے والے حالات کا تذکرہ کرتا ہے۔ ذیل کی غزل کی ردیف 'میرے لیے' سے واضح ہے کہ اس کے ہر شعر میں شاعر کا اپنا تجربہ بیان کیا گیا ہے۔

جان پہچان : راجندر منچندہ بانیؔ کی پیدائش ۱۲/نومبر ۱۹۳۲ء کو ہوئی۔ ابتدائی تعلیم کے بعد وہ اپنے خاندان کے ساتھ دہلی منتقل ہوگئے جہاں انھوں نے تدریس کا پیشہ اختیار کیا۔ بانیؔ کا تعلق اُردو کے نئے شاعروں کی اس نسل سے ہے جس نے غزل کو نیا رنگ و آہنگ عطا کیا۔ بانیؔ کی غزلیں ایک نئے طرزِ احساس کی نمائندگی کرتی ہیں۔ ان کے زبان و بیان میں تازگی ہے۔ اُردو غزل کی روایت میں بانیؔ اپنی الگ پہچان رکھتے ہیں۔ 'حرفِ معتبر، حسابِ رنگ' اور 'شفق شجر' ان کے شعری مجموعے ہیں۔ ۱۹۸۱ء میں دہلی میں ان کا انتقال ہوا۔

تمام راستہ پھولوں بھرا ہے میرے لیے
کہیں تو کوئی دعا مانگتا ہے میرے لیے

تمام شہر ہے دشمن ، تو کیا ہے میرے لیے
میں جانتا ہوں ترا در کھلا ہے میرے لیے

مجھے بچھڑنے کا غم تو رہے گا ، ہم سفرو
مگر سفر کا تقاضا جدا ہے میرے لیے

عجیب درگزری کا شکار ہوں اب تک
کوئی کرم ہے نہ کوئی سزا ہے میرے لیے

گزر سکوں گا نہ اس خواب خواب بستی سے
یہاں کی مٹی بھی زنجیرِ پا ہے میرے لیے

اب آپ جاؤں تو جا کر اسے سمیٹوں میں
تمام سلسلہ بکھرا پڑا ہے میرے لیے

یہ کیسے کوہ کے اندر مَیں دفن تھا ، بانیؔ
وہ ابر بن کے برستا رہا ہے میرے لیے

معانی و اشارات

درگزری - بے توجہی
زنجیرِ پا - پاؤں کی زنجیر، اَڑچن، روکنے والی

مشقی سرگرمیاں

* غزل کا بغور مطالعہ کرکے ذیل کی سرگرمیوں کو ہدایات کے مطابق مکمل کیجیے۔

۱۔ غور کیجیے اور اس فرد کی نشاندہی کیجیے جس کی دعا سے شاعر کا راستہ پھولوں سے بھرا ہے۔
۲۔ غزل کے پس منظر میں ’سفر کا تقاضا جدا ہے‘ کو واضح کیجیے۔
۳۔ غزل کے مطلع اور حسنِ مطلع کے فرق کو قلمبند کیجیے۔
۴۔ ’درگزری‘ کے احساس کا سبب لکھیے۔
۵۔ غزل سے صنعتِ تضاد کا شعر نقل کرکے متضاد الفاظ کو خط کشیدہ کیجیے۔
۶۔ قافیوں کے علاوہ قافیے کے ہم صوتی الفاظ غزل سے تلاش کرکے لکھیے۔
۷۔ غزل کے مقطع کے مفہوم کو اپنے الفاظ میں بیان کیجیے۔
۸۔ حمد کا مفہوم رکھنے والا شعر تلاش کرکے لکھیے۔

* راجندر منچندہ بانؔی سے متعلق شبکی خاکہ مکمل کیجیے۔

راجندر منچندہ بانؔی کے شعری مجموعے

* غزل کی مدد سے ستون الف اور ستون ب کے لفظوں کی جوڑیاں لگائیے۔

ستون الف	ستون ب
راستہ	خواب
شہر	زنجیرِ پا
مٹی	پھول
بستی	دشمن

تحریری سرگرمی :

تمام راستہ پھولوں بھرا ہے میرے لیے
کہیں تو کوئی دعا مانگتا ہے میرے لیے

نہ جانے کون دعاؤں میں یاد رکھتا ہے
میں ڈوبتا ہوں تو دریا اُچھالتا ہے مجھے

ان دو شعروں کو اپنے الفاظ میں واضح کیجیے۔

اضافی معلومات

شعری ہیئتیں

مسمّط : شعر کی اصطلاح میں مسمّط ایسی نظم کو کہتے ہیں جو کئی بندوں میں لکھی جائے۔ ایک بند میں اشعار کی تعداد تین سے لے کر دس تک ہوتی ہے۔ مسمّط کے ہر بند میں مصرعوں کی تعداد برابر ہونی چاہیے۔ یعنی پہلا بند اگر پانچ مصرعوں کا ہے تو بعد کے تمام بند بھی پانچ پانچ مصرعوں کے ہوں گے۔ مسمّط کی آٹھ قسمیں ہیں : مثلّث (ہر بند میں تین مصرعے ہوتے ہیں)، مربّع (ہر بند میں چار مصرعے ہوتے ہیں)، مخمّس (ہر بند میں پانچ مصرعے ہوتے ہیں)، مسدّس (ہر بند میں چھے مصرعے ہوتے ہیں)، مسبّع (ہر بند میں سات مصرعے ہوتے ہیں)، مثمّن (ہر بند میں آٹھ مصرعے ہوتے ہیں)، متسّع (ہر بند میں نو مصرعے ہوتے ہیں) اور معشّر (ہر بند میں دس مصرعے ہوتے ہیں)۔

ترجیع بند : ترکیب بند اور ترجیع بند میں زیادہ فرق نہیں ہے۔ ترکیب بند میں ٹیپ کا شعر ہر بار بدلتا ہے جبکہ ترجیع بند میں ٹیپ کا شعر تبدیل نہیں ہوتا۔ ہر بند کے آخر میں جوں کا توں دہرایا جاتا ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ہر بند کے آخر میں صرف ایک مصرع ہی بار بار لایا جاتا ہے۔ اس میں مثالیں بہت کم ہیں۔ نظیؔر اکبرآبادی کی نظم ’بنجارہ نامہ‘ اس کی ایک مشہور مثال ہے۔

ترکیب بند : اس کے ہر بند میں عام طور پر پانچ سے گیارہ تک اشعار ہوتے ہیں۔ ہر بند میں غزل کی طرح مستقل قافیہ ہوتا ہے لیکن ہر بند کا قافیہ دوسرے بند سے مختلف ہوتا ہے۔ پورے ترکیب بند کا ایک ہی بحر میں ہونا ضروری ہے۔ ہر بند کے آخر میں ٹیپ کا شعر ہوتا ہے جس کا وزن تو باقی نظم کے موافق ہوتا ہے لیکن اس کا قافیہ مختلف ہوتا ہے۔ اس شعر کے دونوں مصرعے ہم قافیہ ہوتے ہیں اور ٹیپ کا یہ شعر ہر بند کے آخری شعر سے مربوط ہوتا ہے۔

غزل - ۷

ظفؔر گورکھپوری

پہلی بات : ۱۹۶۰ء کی بات ہے۔ بنگال میں قحط جیسے حالات تھے۔ اسی زمانے میں ممبئی کے ایک مشاعرے میں ایک نوجوان شاعر نے جب یہ شعر پڑھا۔

ہاتھ کشمیر بنانے کے لیے اُٹھتے ہیں　　　بھوک کشمیر کو بنگال بنا دیتی ہے

تو مشاعرہ گاہ داد و تحسین کے نعروں سے گونج اُٹھی۔ اس نوجوان شاعر کا نام ظفؔر گورکھپوری تھا جو بعد میں ترقی پسند تحریک سے وابستہ ہوا۔

جان پہچان : ظفؔر گورکھپوری ۵؍مئی ۱۹۳۵ء کو ضلع گورکھپور کے گاؤں بیدولی بابو میں پیدا ہوئے۔ وہ بچپن ہی میں اپنے خاندان کے ہمراہ ممبئی منتقل ہوگئے تھے۔ ظفؔر گورکھپوری ترقی پسند شاعروں میں ایک معتبر مقام رکھتے ہیں۔ انھوں نے بچوں کے لیے بھی نہایت خوب صورت نظمیں کہی ہیں۔ 'سچائیاں، تیشہ، وادیِ سنگ، گوکھرو کے پھول، چراغ چشمِ تر، ہلکی ٹھنڈی تازہ ہوا، مٹی کو ہنسانا ہے' وغیرہ ان کے شعری مجموعے ہیں۔ ۱۹۹۳ء میں وہ معلّمی کے پیشے سے سبکدوش ہوئے۔ فلموں سے بھی وابستہ رہے اور فلموں کے لیے گیتوں کے علاوہ انھوں نے قوالیاں بھی لکھیں۔ ۳۰؍جولائی ۲۰۱۷ء کو ممبئی میں ان کا انتقال ہوا۔

بدن کجلا گیا تو دل کی تابانی سے نکلوں گا
میں سورج بن کے اک دن اپنی پیشانی سے نکلوں گا

نظر آجاؤں گا میں آنسوؤں میں ، جب بھی روؤ گے
مجھے مٹی کِیا تم نے تو میں پانی سے نکلوں گا

میں ایسا خوب صورت رنگ ہوں دیوار کا اپنی
اگر نکلا تو گھر والوں کی نادانی سے نکلوں گا

ضمیرِ وقت میں پیوست ہوں مَیں پھانس کی صورت
زمانہ کیا سمجھتا ہے کہ آسانی سے نکلوں گا

یہی اک شے ہے جو تنہا کبھی ہونے نہیں دیتی
ظفؔر مرجاؤں گا جس دن پریشانی سے نکلوں گا

معانی واشارات

بدن کجلانا – بدن کا بے رونق ہوجانا
ضمیرِ وقت میں پیوست ہوں – مراد کوئی ایسی بات یا تصور جو ہر زمانے میں موجود ہو

مشقی سرگرمیاں

* غزل کا بغور مطالعہ کرکے ذیل کی سرگرمیوں کو ہدایات کے مطابق مکمل کیجیے۔

۱۔ شاعر کے نظر آنے کی جگہ اور وجہ لکھیے۔
۲۔ زمانے کو شاعر کا چیلنج واضح کیجیے۔
۳۔ غزل کے حوالے سے اپنوں کی نادانی کا نتیجہ لکھیے۔
۴۔ 'ضمیرِ وقت میں پیوست ہوں میں پھانس کی صورت' مصرع کے مفہوم کو اپنے لفظوں میں قلمبند کیجیے۔
۵۔ غزل کے قوافی کو ابجدی ترتیب میں لکھیے۔
۶۔ غزل کے قوافی میں دو نئے قافیوں کا اضافہ کیجیے۔
۷۔ غزل کی ردیف لکھیے۔

اضافی مطالعہ

علاماتِ اوقاف

جملوں کے معنی، مطلب، لہجے اور جذبہ و کیف کے اظہار کے لیے اور کچھ مخصوص تحریروں کی شناخت کے لیے اُردو میں مخصوص تحریری نشانات مقرر ہیں۔ ان نشانات کو علاماتِ اوقاف کہتے ہیں۔

1.	ختمہ ۔	مکمل با معنی جملے کے آخر میں لگایا جاتا ہے۔ مثال : اصطلاح میں اللہ تعالیٰ کی تعریف حمد کہلاتی ہے۔
2.	سوالیہ نشان ؟	سوالیہ جملے کے آخر میں لگاتے ہیں۔
3.	استعجابیہ، فجائیہ، ندائیہ !	(i) تعجب کے اظہار کے لیے ادا کیے گئے جملے، فقرے یا لفظ کے آخر میں۔ (ii) کسی جذبے کے تحت ادا کیے گئے القاب، صوتی الفاظ اور لفظی ترکیب کے آخر میں۔ (iii) ندا یا پکار، اجتماعی خطاب، مخصوص نام کے آخر میں لگاتے ہیں۔
4.	سکتہ ،	جملے میں مختصر وقفے یا ٹھہراؤ کے لیے لگاتے ہیں۔ مثال : انھیں دُھن رہتی تو بس ایک ہی رہتی، تلاشِ حق کی۔
5.	وقفہ ؛	جملے میں سکتے سے کچھ طویل یا لمبے وقفے یا ٹھہراؤ کے لیے۔ مثال : وہ نرم گفتار، خوش مزاج شخص کیپٹن تھا؛ پروین گروپ کے سیاحوں کا رہبر۔
6.	تفصیلہ :-	کسی چیز کی تفصیل بیان کرنے کے لیے یا کسی تفصیل کی مزید تفصیل کے لیے۔
7.	قوسین ( )	تحریر میں جملۂ معترضہ کے لیے۔ مثال : ہم اپنا غم کسی کو سنا دیں (اپنے کسی دوست کو) تو دل کا بوجھ اُتر جاتا ہے۔
8.	اکہرے واوین ' '	تحریر میں کسی چیز کی اہمیت یا انفرادیت کو ظاہر کرنے کے لیے۔ مثال : اس نے اُنگلی کی پور پر انگوٹھا رکھتے ہوئے 'اِتّی سی' کی صراحت کی۔
9.	دہرے واوین " "	تحریر میں کسی دوسرے کے قول، تقریر، کلام، بیان کو ہو بہو نقل کرنے کے لیے۔ مثال : آپؐ نے فرمایا، "سلمان تم سے بڑھ کر دین سے واقف ہیں۔"

غزل - ۸

مخمورؔ سعیدی

پہلی بات :

۱۔ اپنے انکھیاں کی کیفیت کہہ کر چشم نرگس کتیں رلاووں کیا
۲۔ اندھیری شام کے پردوں میں چھپ کر کسے روتی ہے چشموں کی روانی

یہ دونوں اشعار آپ جماعت نہم میں پڑھ چکے ہیں۔ پہلا شعر سیّد غلام حسین چشتی (پیدائش : ۱۷۱۸ء) اور دوسرا ناصر کاظمی (پیدائش : ۱۹۲۵ء) کا ہے۔ دونوں شاعروں کے درمیان دو صدیوں کا فاصلہ ہے۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ وقت کے ساتھ اظہار کے انداز اور لفظوں کے انتخاب میں بھی تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں۔ آج بھی نئی شاعری کا رنگ قدیم اندازِ سخن سے مختلف ہے۔ ذیل کی غزل میں 'بھیڑ میں اکیلا، دکھوں کی دنیا، نفرت کا وار' اور 'خود سے مل کر' جیسے فقرے نئی غزل کی نئی زبان میں شمار کیے جاتے ہیں۔

جان پہچان : مخمورؔ سعیدی کا اصل نام محمد خان تھا۔ ۳۱/ دسمبر ۱۹۳۸ء کو وہ ٹونک (راجپوتانہ) میں پیدا ہوئے۔ اُردو میں ایم اے کیا۔ اُردو اکیڈمی، نئی دہلی کے اسسٹنٹ سکریٹری کے عہدے پر فائز رہے۔ انھوں نے ماہنامہ 'تحریک، ایوانِ اُردو اور اُمنگ' جیسے رسالوں کی ادارت کے فرائض بھی انجام دیے۔ ۲/ مارچ ۲۰۱۰ء کو ان کا انتقال ہوا۔

مخمورؔ سعیدی کی غزلوں میں نئے دور کے انسانی مسائل اور دُکھوں کا اظہار نئے انداز اور منفرد اسلوب میں ہوا ہے۔ ان کی غزل میں روایتی انداز کے ساتھ جدید لب و لہجہ بھی سنائی دیتا ہے۔ 'آواز کا جسم، واحد متکلم' اور 'آتے جاتے لمحوں کی صدا' ان کے شعری مجموعے ہیں۔

بھیڑ میں ہے مگر اکیلا ہے　　اس کا قد دوسروں سے اونچا ہے
اپنے اپنے دُکھوں کی دنیا میں　　میں بھی تنہا ہوں ، وہ بھی تنہا ہے
منزلیں غم کی طے نہیں ہوتیں　　راستہ ساتھ ساتھ چلتا ہے
ساتھ لے لو سِپر محبت کی　　اُس کی نفرت کا وار سہنا ہے
تجھ سے ٹوٹا جو اک تعلق تھا　　اب تو سارے جہاں سے رشتہ ہے
خود سے مل کر بہت اُداس تھا آج　　وہ جو ہنس ہنس کے سب سے ملتا ہے

اُس کی یادیں بھی ساتھ چھوڑ گئیں
اِن دنوں دل بہت اکیلا ہے

مشقی سرگرمیاں

* **شاعر سے متعلق شبکی خاکے مکمل کیجیے۔**

۱۔

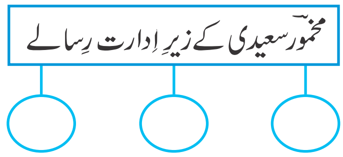

۲۔

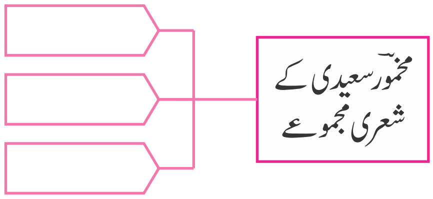

* **غزل کا بغور مطالعہ کر کے ذیل کی سرگرمیوں کو ہدایات کے مطابق مکمل کیجیے۔**

۱۔ غزل کے شاعر کا اصل نام اور تخلص لکھیے۔
۲۔ اس غزل میں جس ہیئتی جز کی کمی ہے اس کی نشاندہی کیجیے۔
۳۔ شاعر کے مطابق اس کے اکیلا ہونے کے دو اسباب لکھیے۔
۴۔ منزلوں کے طے نہ ہونے کا سبب لکھیے۔
۵۔ 'خود سے مل کر اُداس ہونے' کا مفہوم قلمبند کیجیے۔
۶۔ غزل کے ایک شعر میں یکساں معنی والے دو لفظ آئے ہیں، انھیں تلاش کر کے لکھیے۔
۷۔ غزل سے ہم معنی الفاظ تلاش کر کے لکھیے۔
۸۔ اپنی پسند کے دو اشعار کے ردیف اور قافیے لکھیے۔
۹۔ غزل سے صنعتِ تضاد کے اشعار نقل کیجیے اور شعر کے متضاد الفاظ کو نشان زد کیجیے۔
۱۰۔ پسندیدہ شعر کے مفہوم کو اپنے لفظوں میں لکھیے۔

* **شعر کا مطلب بیان کیجیے۔**

۱۔ منزلیں غم کی طے نہیں ہوتیں
راستہ ساتھ ساتھ چلتا ہے

۲۔ اس کی یادیں بھی ساتھ چھوڑ گئیں
اِن دنوں دل بہت اکیلا ہے

اضافی معلومات

انٹرنیٹ

انٹرنیٹ پیغام رسانی میں دورِ جدید کی ایک مقبول ترین ایجاد اور ہر قسم کی معلومات کا بیش بہا خزانہ ہے۔ یہ ہمیں تعلیمی، تفریحی، سائنسی اور دوسرے کئی نئے شعبوں سے آگاہ کرتا ہے۔

انٹرنیٹ کی ساخت و بافت پر سب سے پہلے کمپیوٹر سائنس کے پروفیسر لیونارڈ کلائن راک (Leonard Klein Rock) نے مئی ۱۹۶۱ء میں ایک مقالہ پیش کیا۔ اس کے بعد کئی سائنس داں اس کے ارتقا کا ذریعہ بنے۔ انٹرنیٹ ۱۹۶۰ء کی دہائی کے آخری حصے میں کیلیفورنیا میں شروع ہوا۔ پہلا انٹرنیٹ میسیج ۲۱/ اکتوبر ۱۹۶۹ء کو صبح ساڑھے دس بجے لیونارڈ ہی کی لیباریٹری سے بھیجا گیا تھا۔ ۱۹۹۰ء میں انٹرنیٹ عام آدمی کی دسترس میں آ گیا۔ ہندوستان میں اس کا آغاز ۱۹۹۵ء میں ہوا۔ سب سے پہلے اس کو NICNET اور ERNET نامی اداروں نے تعلیمی اور تحقیقی اغراض کے لیے استعمال کیا۔ اس کے بعد بھارت کے عوام میں اس کا استعمال شروع ہوا۔

سماج پر انٹرنیٹ کے استعمال کے اثرات مثبت بھی ہوتے ہیں اور منفی بھی۔ اس کے مثبت استعمال سے سب سے پہلے مواصلات کے شعبے میں انقلاب آیا۔ چنانچہ e-mail کے ذریعے پیغام رسانی آسان اور تیز ہوگئی۔ پہلا ای-میل ۱۹۷۱ء میں رے ٹاملنسن (Ray Tomlinson) نے بھیجا تھا۔

انٹرنیٹ کا اور ایک فائدہ یہ ہے کہ دور دراز کے مقامات کے لوگوں سے رابطہ آسان ہوگیا۔ E-commerce کی وجہ سے اشیا فیکٹری سے راست صارف تک پہنچائی جاسکتی ہیں۔ E-governance اور E-banking بھی آج کل بہت عام ہو چکے ہیں۔

انٹرنیٹ کی افادیت سے کسی کو انکار نہیں لیکن اس کے منفی اثرات سے چشم پوشی بھی نہیں کی جاسکتی۔ اس کا بے مصرف استعمال جیسے چیٹنگ، سرفنگ وغیرہ وقت کی بربادی اور اخلاق کی خرابی کا باعث بنتا ہے۔

کمپیوٹر کے مسلسل استعمال سے صحت متاثر ہوتی ہے۔ آنکھوں، ہاتھوں، کمر، گردن کے عضلات، ریڑھ کی ہڈی اور ہاضمے پر اس کے مضر اثرات ہوتے ہیں۔ بہتر ہے کہ انٹرنیٹ کے تعمیری پہلو سے استفادہ کیا جائے۔

۱۰۔ رباعیات

پہلی بات : جماعت نہم میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ چار مصرعوں اور ایک خاص وزن اور بحر میں ادا کیے گئے شاعرانہ خیال کو رباعی کہتے ہیں۔ رباعی میں شاعر جو کچھ کہنا چاہتا ہے، اس کا خیال پہلے مصرعے سے ترقی کرتا جاتا ہے اور چوتھے مصرعے میں اپنے عروج پر پہنچتا ہے۔ اس بحر کے ۲۴؍اوزان رباعی کے لیے مخصوص ہیں۔ اُردو میں رباعی کا آغاز فارسی شاعری کے زیرِ اثر ہوا۔ فارسی ادب میں رباعی کہنے کا رواج قدیم زمانے سے ہے۔ فارسی میں عمر خیام کی رباعیاں بے حد مقبول ہیں۔ اُردو کے ابتدائی زمانے میں بعض دکنی شعرا جیسے قلی قطب شاہ اور ملا وجہی نے رباعیاں کہیں۔ اس کے بعد شمالی ہند میں رباعی لکھنے کا رواج شروع ہوا۔

رباعی کے لیے کوئی موضوع مخصوص نہیں ہے۔ عام طور پر اس میں فلسفیانہ، اخلاقی اور نصیحت آموز مضامین بیان کیے جاتے ہیں۔ حمدیہ اور عشقیہ موضوعات پر بھی رباعیاں کہی گئی ہیں۔

ذیل میں مہاراجا کشن پرساد شاؔد کی رباعی میں زندگی کو غفلت میں گزار دینے پر فکرِ آخرت اور خدا کے آگے جوابدہی کے احساس کو پیش کیا گیا ہے۔ یاسؔ یگانہ چنگیزی نے اپنے مخصوص لب و لہجے میں اپنی انفرادیت کو قائم رکھنے کی بات کہی ہے۔ اس سے یہ سبق بھی ملتا ہے کہ انسان رکاوٹوں اور مصیبتوں کے باوجود راہِ حق پر قائم رہے۔ شاؔد عارفی کی رباعی بھی حرکت و عمل کی اہمیت کو اُجاگر کرتی ہے کہ انسان عیش و عشرت میں پڑ کر اپنی منزل سے غافل نہ ہو۔ جمیؔل مظہری کی رباعی میں شاعر اپنے دوستوں سے درخواست کر رہا ہے کہ وہ صبح کی تلاش کا جذبہ یعنی بہتر مستقبل کی تمنا کو اس کے دل میں زندہ رکھنے میں مدد کریں۔

۱۔ کشن پرساد شاؔد

جان پہچان : مہاراجا کشن پرساد شاؔد ۲۸؍فروری ۱۸۶۴ء کو حیدرآباد میں پیدا ہوئے۔ زمانے کے رواج کے مطابق انھوں نے عربی، فارسی، فلسفہ و منطق کی تعلیم حاصل کی۔ وہ ریاست حیدرآباد میں دو مرتبہ وزیرِاعظم کے عہدے پر فائز ہوئے۔ سرکارِ برطانیہ نے انھیں ’سر‘ کے خطاب سے نوازا تھا۔ شاؔد ان کا تخلص تھا۔ انھوں نے تقریباً ساٹھ کتابیں تصنیف کیں۔ ’باغِ شاؔد، بیاضِ شاؔد، رباعیاتِ شاؔد‘ اور ’جامِ جہاں نما‘ ان کی مشہور کتابیں ہیں۔ ۹؍مئی ۱۹۴۰ء کو حیدرآباد میں ان کا انتقال ہوا۔

غفلت میں گنوا کے صبح کو شام کیا
افسوس ، یہاں آکے نہ کچھ کام کیا
کس طرح خدا کو منہ دکھاؤں گا ، شاؔد
عقبیٰ کا نہ کچھ ہائے ، سر انجام کیا

F2M2MC

۲۔ یاس یگانہ چنگیزی

جان پہچان : یاس یگانہ چنگیزی کا نام مرزا واجد حسین تھا۔ وہ ۱۸۸۳ء میں پیدا ہوئے۔ پہلے ان کا تخلص یاس تھا بعد میں یگانہ ہوگیا۔ ان کے کلام میں ایک خاص طرح کی انفرادیت کا رنگ حاوی ہے۔ بول چال کے ایسے الفاظ بھی جو ادبی زبان کا حصہ نہیں ہوتے، معنی میں تیزی اور تندی لانے کے لیے یاس یگانہ انھیں استعمال کرتے تھے۔ ان کے کلام کے مجموعے 'آیاتِ وجدانی' اور 'گنجینہ' کے نام سے شائع ہوئے۔ یاس یگانہ چنگیزی کا انتقال ۱۹۵۶ء میں ہوا۔

مردانِ خدا کسی کے آگے نہ جھکے — دل شعلۂ غم سے پُھک رہا تھا، پُھکے
جادہ اپنا ہے اور ارادہ اپنا — دھارا کیا پتھروں پہاڑوں سے رُکے

۳۔ شاؔد عارفی

جان پہچان : شاؔد عارفی کا اصل نام احمد علی خان تھا۔ وہ ۱۹۰۰ء میں پیدا ہوئے۔ ان کا وطن رام پور تھا۔ ان کی نظموں کا پہلا مجموعہ 'سماج' ۱۹۴۶ء میں شائع ہوا۔ ان کی غزلوں اور نظموں میں طنز و مزاح، واقعاتی رنگ اور افسانوی کیفیت کا امتزاج ملتا ہے اور شاعری میں مزاحمت کا عنصر نمایاں ہے۔ ان کے مجموعے 'شوخیِ تحریر' اور 'سفینہ چاہیے' جدید شاعری کے نمائندہ مجموعوں میں شمار کیے جاتے ہیں۔

نَفَس جب عشرتوں میں کھو جاتا ہے — آدمی سُست گام ہو جاتا ہے
سعیِ منزلِ طلب کو جاری رکھیے — نہ ہلائیں تو پاؤں سو جاتا ہے

۴۔ جمیؔل مظہری

جان پہچان : جمیؔل مظہری کا اصل نام کاظم علی تھا۔ وہ ۱۹۰۴ء میں پیدا ہوئے۔ پٹنہ میں ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد انھوں نے کلکتہ یونیورسٹی سے فارسی میں ایم اے کا امتحان پاس کیا۔ انھوں نے صحافت کے شعبے میں خدمات انجام دیں اور فلمی دنیا سے بھی وابستہ رہے۔ ۲۳ر جولائی ۱۹۸۰ء کو بھیکن پور (مظفر پور) میں ان کا انتقال ہوا۔ 'نقشِ جمیل'، 'فکرِ جمیل'، 'آب و سراب' اور 'عکسِ جمیل' ان کے شعری مجموعے ہیں۔

اے ہم نَفَسو، سوزِ جگر دیتے جاؤ — پروانوں کو اک رقصِ شرر دیتے جاؤ
تم آ کے شبستاں میں سحر کیا دوگے — ہاں، یہ کہ تمنائے سحر دیتے جاؤ

معانی واشارات

عقبٰی	–	آخرت، عاقبت
سرانجام کرنا	–	انتظام کرنا
مردانِ خدا	–	خدا کے خاص بندے
پھکنا	–	جلنا، جھلسنا
جادہ	–	راستہ
نَفُس	–	وجود، جان، ذات
عشرت	–	شادمانی، خوشی
سست گام	–	سست رفتار
پاؤں سو جانا	–	پاؤں سن ہوجانا مراد بے حرکت ہوجانا
نَفَس	–	سانس، دَم
رقصِ شرر	–	شعلوں کا ناچ
شبستاں	–	خواب گاہ، سونے کا کمرہ

مشقی سرگرمیاں

* **غزل کا بغور مطالعہ کرکے ذیل کی سرگرمیوں کو ہدایات کے مطابق مکمل کیجیے۔**

(۱)

۱۔ شاعر کو جس جگہ کام نہ کرنے کا افسوس ہے، اُس کا نام لکھیے۔
۲۔ شاعر کو جس کام کے نہ کرنے کا افسوس ہے، اس کا نام لکھیے۔
۳۔ شاعر خدا کو منہ دِکھانے کے قابل نہیں، وجہ تحریر کیجیے۔
۴۔ عقبٰی کے معنی ومفہوم لکھیے۔
۵۔ کشن پرساد شاؔد کی رباعی کا مرکزی خیال لکھیے۔

(۲)

۱۔ مردانِ خدا کی پہچان قلمبند کیجیے۔
۲۔ شعلۂ غم کے مفہوم کو واضح کیجیے۔
۳۔ رباعی میں پتھروں اور پہاڑوں کے مفہوم کی وضاحت کیجیے۔
۴۔ یاس یگاؔنہ چنگیزی کی رباعی کا موضوع بیان کیجیے۔

(۳)

۱۔ آدمی کی سست روی کی وجہ لکھیے۔
۲۔ پاؤں کے سو جانے کا سبب تحریر کیجیے۔
۳۔ 'تھک کر نہ بیٹھ جانے' کی نصیحت لکھنے کے لیے شاعر کے الفاظ استعمال کیجیے۔
۴۔ رباعی سے ہم معنی الفاظ تلاش کرکے لکھیے :
چاہ ، مقامِ مقصود ، کوشش ، خوشی ومسرت
۵۔ شاؔد عارفی کی رباعی کا مرکزی خیال بیان کیجیے۔

(۴)

۱۔ شاعر کے مخاطَب کی نشاندہی کیجیے۔
۲۔ 'منزل بھیک میں نہیں ملتی، کوشش سے ملتی ہے' اس مفہوم والے مصرع کو نقل کیجیے۔
۳۔ سوزِ جگر، رقصِ شرر، شبستاں اور سحر کے مفہوم کو واضح کیجیے۔
۴۔ جمیؔل مظہری کی رباعی کا موضوع بیان کیجیے۔

۱۱۔ قطعات

پہلی بات : قطعہ نظم کی اس صنف کو کہتے ہیں جس میں کسی خاص خیال، جذبے یا کیفیت کو بیان کیا جاتا ہے۔اس کے ہر شعر کا دوسرا مصرع ہم قافیہ ہوتا ہے۔اس کے اشعار کی تعداد کم سے کم دو ہوتی ہے، زیادہ سے زیادہ کی کوئی قید نہیں۔غزل کی طرح اس میں مطلع کہنا ضروری نہیں۔زیادہ تر دو شعری قطعات کا چلن عام ہے۔

۱ : نظیؔر اکبرآبادی

جان پہچان : نظیؔر اکبرآبادی ۱۷۴۰ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ان کا اصل نام ولی محمد تھا۔انھوں نے آگرے میں پرورش پائی اور وہیں تعلیم حاصل کی۔وہ عربی، فارسی کے علاوہ پنجابی، مارواڑی، پوربی اور ہندی زبانیں بھی جانتے تھے۔وہ درس و تدریس سے وابستہ تھے۔ان کے حلقۂ احباب میں امیر غریب، عالم جاہل، ہندو مسلمان سبھی شامل تھے۔نظیؔر اپنی نظموں میں بول چال کی زبان استعمال کرتے تھے۔اسی وجہ سے وہ عوامی شاعر بن گئے۔ان کے کلام میں ہندوستان کے موسموں اور تہواروں کا تذکرہ ملتا ہے۔ان کا انتقال ۱۸۳۰ء میں ہوا۔

نظیؔر ، یار کی ہم نے جو کل ضیافت کی
پکایا ، قرض منگا کر ، پلاؤ اور قلیا
سو یار آپ نہ آیا ، رقیب کو بھیجا
ہزار حیف ، ہم ایسے نصیب کے بلیا
اِدھر تو قرض ہُوا اور اُدھر نہ آیا یار
پکائی کھیر تھی ، قسمت سے ہوگیا دلیا

۲ : بہادر شاہ ظفؔر

جان پہچان : محمد سراج الدین بہادر شاہ ظفؔر ۱۷۷۵ء میں پیدا ہوئے۔وہ مغلیہ خاندان کے آخری تاجدار تھے۔۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کی قیادت کے جرم میں انگریزوں نے انھیں معزول کر کے رنگون میں قید کر دیا تھا۔۱۸۶۲ء میں وہیں ان کا انتقال ہوا۔بہادر شاہ ظفر شاعری کے قدر دان ہی نہیں خود بھی شاعر تھے۔اُردو کے مشہور شعرا ذوقؔ اور ان کے انتقال کے بعد مرزا غالبؔ سے انھوں نے اپنے کلام پر اصلاح لی۔ظفر نے مختلف اصناف میں طبع آزمائی کی۔ان کے کلام میں صفائی اور سادگی کے علاوہ ایک والہانہ بے خودی پائی جاتی ہے۔

کتنے ہی بن کے ، شہر کے اور گاؤں کے نشان
یوں مٹ گئے ، زمین پہ جوں پاؤں کے نشان
گر نخلِ خشک کوئی کہیں رہ گیا ، ظفؔر
پائے نہ اس کے پاؤں تلے چھاؤں کے نشان

F2VXXZ

۳ : علامہ اقبالؔ

جان پہچان : علامہ محمد اقبالؔ ۹؍نومبر ۱۸۷۷ء کو سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ ان کی ابتدائی تعلیم گھر اور مکتب میں ہوئی۔ بعد میں انھوں نے اسکاچ مشن اسکول، سیالکوٹ میں داخلہ لیا۔ علامہ اقبالؔ نے گورنمنٹ کالج، لاہور سے فلسفہ میں ایم اے کیا۔ ۱۹۰۵ء میں وہ اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے انگلینڈ گئے۔ جرمنی سے انھوں نے پی ایچ۔ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ ہندوستان آکر وہ بیرسٹری کرنے لگے۔

علامہ اقبالؔ نے اپنی شاعری کو پیغام کا ذریعہ بنایا۔ ان کے افکار میں فلسفۂ خودی کو ایک خاص حیثیت حاصل ہے۔ 'بانگِ درا'، 'بالِ جبریل' اور 'ضربِ کلیم' ان کے مشہور اُردو شعری مجموعے ہیں۔ نثر میں ان کی کتابیں 'علم الاقتصاد'، 'فلسفۂ عجم'، 'تشکیلِ جدید الٰہیاتِ اسلامیہ' بہت اہمیت رکھتی ہیں۔ انھوں نے بچوں کے لیے بھی کئی نظمیں لکھیں۔ ۲۱؍اپریل ۱۹۳۸ء کو ان کا انتقال ہوا۔

مجھے ڈرا نہیں سکتی فضا کی تاریکی
مری سرشت میں ہے پاکی و درخشانی
تو، اے مسافرِ شب ، خود چراغ بن اپنا
کر اپنی رات کو داغِ جگر سے نورانی

۴ : گوپال مِتّل

جان پہچان : گوپال متّل کی پیدائش ۱۹۰۹ء میں مالیر کوٹلہ (پنجاب) میں ہوئی۔ وہ اُردو کے مشہور صحافی، مترجم، ادیب اور شاعر تھے۔ رسالہ 'تحریک' کے مدیر رہے۔ اُردو زبان و ادب سے انھیں گہرا لگاؤ تھا۔ ان کی قابلِ ذکر تصانیف میں 'صحرا میں اذان' (شعری مجموعہ)، 'لاہور کا جو ذکر کیا' (سوانح)، 'کینسر وارڈ' (ترجمہ) کا شمار ہوتا ہے۔

ذیل کے قطعے میں شاعر نے بتایا ہے کہ کڑوی کسیلی باتیں کرنے سے دوست بھی دشمن بن جاتے ہیں لیکن میٹھے بول بولنے سے ہم دوسروں کے دلوں کو جیت سکتے ہیں۔

ہر حال میں پرہیز کر اس عادتِ بد سے
ہر عیب سے ہے عیب بُرا تلخیِ گفتار
یہ چیز بنا دیتی ہے احباب کو دشمن
حق میں ہے محبت کے ، یہ چلتی ہوئی تلوار

معانی واشارات

ضیافت	-	دعوت
رقیب	-	حریف
ہزار حیف	-	نہایت افسوس
نصیب کے بلیا	-	قسمت کا دھنی طنزاً بدنصیب
پکائی کھیر ہوگیا دلیا	-	کیا کچھ اور ہوگیا کچھ
نخل	-	درخت
سرشت	-	فطرت
درخشانی	-	چمک، تابانی، روشنی
داغِ جگر	-	جگر کا زخم
تلخیِ گفتار	-	باتوں کی کڑواہٹ

مشقی سرگرمیاں

* قطعات کا بغور مطالعہ کرکے ذیل کی سرگرمیوں کو ہدایات کے مطابق مکمل کیجیے۔

(۱)

۱۔ دعوت دینے والا اور جسے دعوت دی گئی ہے، ان کی پہچان بتایئے۔

۲۔ قطعے کا موضوع بیان کیجیے۔

۳۔ قطعے کے قوافی کو معنی کے ساتھ لکھیے۔

۴۔ ذیل میں سے غلط بیان کو صحیح کرکے لکھیے۔

(i) دعوت میں کھیر پکائی گئی تھی۔

(ii) شاعر پر دعوت کی وجہ سے دوہری مار پڑی۔

(iii) دعوت میں شاعر کا دوست آیا تھا۔

(۲)

۱۔ دنیا سے ختم ہوجانے والے مقامات کی نشاندہی کیجیے۔

۲۔ شاعر کے مطابق نخلِ خشک کی حالت بیان کیجیے۔

۳۔ قطعے سے مشبّہ اور مشبّہ بہ کو تلاش کرکے لکھیے۔

۴۔ بہادر شاہ ظفؔر کے قطعے کا مرکزی خیال تحریر کیجیے۔

(۳)

۱۔ نہ ڈرنے والے کی خوبی لکھیے۔

۲۔ علامہ اقبالؔ کی نصیحت کو اپنے الفاظ میں لکھیے۔

۳۔ قطعے میں ناصح اور جسے نصیحت کی جارہی ہے، اس کی نشاندہی کیجیے۔

۴۔ 'داغِ جگر' کے مفہوم کو واضح کیجیے۔

(۴)

۱۔ وہ فعل لکھیے جو بُرے فعل سے بدتر ہے۔

۲۔ قطعے کے پیغام کو تحریر کیجیے۔

۳۔ قطعے سے مستعار منہٗ اور مستعار لہٗ کو تلاش کرکے قلم بند کیجیے۔

۴۔ دیے ہوئے بیان کے مطابق ذیل سے صحیح متبادل لکھیے:

قطعے کا موضوع .... ہے۔

(i) بات چیت کا سلیقہ

(ii) دوستی

(iii) عیب

F35TZM

اضافی مطالعہ

قصہ سوتے جاگتے کا

ڈاکٹر نیّر مسعود

پہلی بات : آپ نے نویں جماعت میں 'قسمت بیگ' کا سبق پڑھا ہے جو ایک ریڈیو ڈراما ہے۔ ریڈیو ڈرامے میں ہم صرف کرداروں کی آوازیں سنتے ہیں مگر جب وہی کردار اسٹیج پر اداکاری کا مظاہرہ کرتے ہیں تو وہ اسٹیج ڈراما کہلاتا ہے۔ ڈراما ادب کی بڑی اہم صنف ہے۔ اس میں فنونِ لطیفہ کی تمام جھلکیاں موجود ہوتی ہیں اسی لیے اسے فنونِ لطیفہ کا مرقع بھی کہا جاتا ہے۔

ڈرامے کے اجزائے ترکیبی میں چھے چیزیں ضروری سمجھی جاتی ہیں : ماجرا، کردار، مکالمہ، مرکزی خیال، سجاوٹ اور موسیقی۔ ڈرامے میں واقعات کی کڑیاں اس طرح ملائی جاتی ہیں کہ وہ بتدریج نقطۂ عروج تک پہنچ سکیں۔ اس کے بعد ڈراما انجام کی طرف بڑھتا ہے۔ واقعات سے جو نتیجہ برآمد ہوتا ہے، وہ ڈرامے کے انجام میں نظر آتا ہے۔ عام طور پر حق و باطل اور خیر و شر کی کشمکش، انسانی اقدار اور سماجی، قومی اور سیاسی مسائل کو ڈراموں میں پیش کیا جاتا ہے۔

جان پہچان : نیر مسعود ۱۶ر نومبر ۱۹۳۶ء کو لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے ابتدائی تعلیم کے بعد اُردو اور فارسی میں ایم اے کیا اور دونوں زبانوں میں یکے بعد دیگرے پی ایچ۔ ڈی کی ڈگریاں حاصل کیں۔ وہ لکھنؤ یونی ورسٹی میں اُردو فارسی کے استاد مقرر ہوئے۔ وہ ایک صاحبِ طرز ادیب تھے۔ انھوں نے افسانے میں ایک نئے طرزِ بیان کو متعارف کیا۔ تحیر اور اسرار اُن کے افسانوں کا خاص وصف ہے۔

'سیمیا، عطر کافور، گنجفہ' اور 'طاؤس چمن کی مینا' اُن کے افسانوں کے مجموعے ہیں۔ 'بزمِ انیس' کے نام سے انھوں نے انیس کے مرثیوں کا انتخاب شائع کیا۔ انھوں نے فارسی کی منتخب کہانیوں کے تراجم بھی شائع کیے۔ انھیں ۲۰۰۱ء میں ساہتیہ اکیڈمی اور ۲۰۰۷ء میں سرسوتی سمّان جیسے باوقار انعامات سے سرفراز کیا گیا۔ ۲۴ر جولائی ۲۰۱۷ء کو لکھنؤ میں اُن کا انتقال ہوا۔

یہاں ان کا ایک ڈراما پیش کیا جاتا ہے جو الف لیلہ کی داستان سے ماخوذ ایک واقعے پر مبنی ہے۔

کردار

ہارون رشید	:	آٹھویں صدی عیسوی میں اسلامی دنیا کے خلیفہ
ابوالحسن	:	بغداد کا ایک نوجوان
جعفر	:	ہارون رشید کا وزیر
مسرور	:	ایک سردار
کافور	:	حبشی غلام
ابوالحسن کی ماں		

تین پڑوسی، داروغہ اور دوسرے درباری، امیر، افسر، کنیزیں اور غلام

منظر - ۱

مقام : بغداد کا پل

(ابوالحسن دجلہ کے پل پر بیٹھا ہوا اِدھر اُدھر دیکھ رہا ہے۔ خلیفہ ہارون رشید ایک غلام کے ساتھ سوداگر کے بھیس میں آتے ہیں)

ابوالحسن : (خلیفہ سے) بھلے آدمی، تمھارا لباس بتاتا ہے کہ تم بغداد کے رہنے والے نہیں ہو۔

خلیفہ : میاں، تم نے خوب پہچانا۔ میں موصل کا سوداگر ہوں۔

ابوالحسن : بس تو بھائی موصل کے سوداگر! کیا آج رات میرے غریب خانے پر چلنے کی زحمت کروگے؟ وہاں ہم دونوں عمدہ کھانا کھائیں گے۔

خلیفہ : بڑے شوق سے چلوں گا۔ بھلا اتنی محبت سے دی ہوئی دعوت کون ٹھکرا سکتا ہے؟

ابوالحسن : (اُٹھ کھڑا ہوتا ہے) آؤ چلو... (رُک کر) مگر ایک شرط ہے اور وہ یہ کہ ہماری دوستی صرف آج تک رہے گی۔

خلیفہ : (حیران ہوکر) یہ کیسی شرط ہے بھائی؟ تم تو عجیب آدمی معلوم ہوتے ہو!

ابوالحسن : یہ شرط اس لیے ہے کہ کہیں تم میرے دوست نہ بن جاؤ۔ میں دشمنوں سے اتنا نہیں ڈرتا جتنا دوستوں سے۔

خلیفہ : بھائی! آخر معاملہ کیا ہے؟

ابوالحسن : معاملہ میں سمجھائے دیتا ہوں۔ (پُل پر بیٹھ جاتا ہے۔ خلیفہ اور غلام بھی بیٹھ جاتے ہیں)

خلیفہ : ہاں، اب سناؤ۔

ابوالحسن : میرا نام ابوالحسن ہے۔ میں ایک امیر سوداگر کا بیٹا ہوں۔ باپ کے مرنے کے بعد ساری دولت میرے ہاتھ آئی جسے میں نے دل کھول کر خرچ کیا۔ روپیا آخر کب تک چلتا؟

خلیفہ : بے شک، اگر قارون کا خزانہ بھی اس طرح لٹایا جائے تو ایک دن ختم ہی ہوجائے گا۔

ابوالحسن : اسی طرح میری بھی دولت ختم ہوگئی۔ اب غریبی جو آئی تو دوستوں نے ایک ایک کر کے کھسکنا شروع کردیا۔ ایک مرتبہ میں نے اپنے ان دوستوں سے کچھ روپیا قرض مانگا مگر انھوں نے ٹکا سا جواب دے دیا۔

خلیفہ : مطلب کے دوست اس کے سوا اور کیا دے سکتے ہیں؟

ابوالحسن : پھر میں نے کچھ جائداد بیچ کر روپیا اِکٹھا کیا اور اس سے چھوٹا موٹا کاروبار شروع کردیا۔ اب جو پیسے ملتے ہیں، انھیں مزے مزے خرچ کرتا ہوں۔ میں روز کسی اجنبی کو گھر لے جاتا ہوں۔ اس کے ساتھ کھانا کھاتا ہوں اور سویرے تڑکے اُسے رخصت کردیتا ہوں۔ یہ اس لیے کہ دوستوں کی وجہ سے مل بیٹھ کر کھانے کی عادت پڑ گئی ہے۔ بس یہ ہے میری کہانی۔

خلیفہ : دوست، تم تو بڑے مزے کے آدمی ہو! چلو، مجھے تمھاری دعوت منظور ہے۔

ابوالحسن : آؤ چلیں۔

منظر ۔۲

مقام : ابوالحسن کا مکان

(ابوالحسن اور خلیفہ کھانا کھا چکے ہیں اور شربت پی رہے ہیں۔طشتریوں میں میوے رکھے ہیں)

خلیفہ : واللہ ابوالحسن! میں نے دنیا جہان کے کھانے کھائے مگر یہ مزہ کہیں نہ پایا جو تمھارے یہاں ملا۔ جی چاہتا ہے روز ہم تم مل کر اسی طرح کھایا پیا کریں۔

ابوالحسن : دل تو میرا بھی یہی چاہتا ہے۔

خلیفہ : ٹھیک ہے۔اچھا تم آرام کرو۔ میں اب سوتا ہوں۔لیکن میں چاہتا ہوں کہ تمھارے اس احسان کے شکریے میں کچھ میں بھی تمھاری خدمت کروں۔

ابوالحسن : تمھارا یہی احسان کیا کم ہے کہ تم نے میری دعوت قبول کی۔ (کچھ سوچ کر) میں ایک مصیبت میں پھنسا ہوا ہوں مگر تم پردیسی اس میں میری کیا مدد کر سکتے ہو؟

خلیفہ : بتاؤ، بتاؤ۔شاید میں کسی کام آسکوں۔

ابوالحسن : بھائی، ہمارے محلے میں ایک امیر شخص ہے۔اس کے چار یار بھی ہیں۔ یہ پانچوں مل کر محلے بھر کا ناک میں دَم کیے ہوئے ہیں۔

خلیفہ : (سوچتے ہوئے) مگر اُن کا علاج کیا ہونا چاہیے۔

ابوالحسن : علاج ....؟ (غصّے میں فرش پر ہاتھ مار کر) اگر خدا ایک دن کے لیے مجھے خلیفہ ہارون رشید کی جگہ دے دے تو تمھیں بتاؤں کہ ان لوگوں کا علاج کیا ہو سکتا ہے؟

خلیفہ : بھلا وہ کیا؟

ابوالحسن : وہ یہ کہ اس منحوس آدمی اور اس کے چاروں گرگوں کی پیٹھ پر سو سو کوڑے لگوا دوں۔ پھر اُن سے کہوں کہ دیکھو، پڑوسیوں کو ستانے کی یہی سزا ہے۔

خلیفہ : (کچھ سوچ کر مسکراتا ہے) کون جانے، خدا تمھیں سچ مچ ایک دن کے لیے خلیفہ بنا دے۔

ابوالحسن : تم میرا مذاق اُڑاتے ہو! اور ٹھیک بھی ہے۔اگر خلیفہ سن لے تو وہ بھی میری خوب ہنسی اُڑائے۔

خلیفہ : (ابوالحسن کا ہاتھ پکڑ لیتا ہے) کیا بات کرتے ہو دوست۔تم نے میری اتنی خاطر کی۔ بھلا میں تمھارا مذاق اُڑاؤں گا۔اچھا آدھی رات ہونے آئی ہے۔اب سونا چاہیے۔

ابوالحسن : یہ تھوڑا سا شربت بچ رہا ہے۔اسے بھی ختم کر دو۔اور سویرے یہاں سے چلتے وقت باہر کا دروازہ بند کرتے جانا۔

خلیفہ : ٹھیک ہے۔مگر یہ بچا ہوا شربت تمھیں میرے ہاتھ سے پینا پڑے گا۔

(ابوالحسن کی نظر بچا کر اس میں بے ہوشی کی دوا ملا دیتے ہیں جسے پیتے ہی ابوالحسن بے ہوش ہو جاتا ہے)

منظر - ۳

مقام : خلیفہ کا محل

(خلیفہ داخل ہوتے ہیں۔ پیچھے پیچھے غلام ابوالحسن کو کندھے پر لادے ہوئے آتا ہے)

خلیفہ : دیکھو! (ابوالحسن کی طرف اشارہ کرکے) اس جوان کو میں ایک دن کے لیے اپنی جگہ دے رہا ہوں۔ تمھارا فرض ہے کہ جس طرح مجھے سلاتے ہو، اسی طرح اِسے سلاؤ۔ جس طرح مجھے سرکہ سنگھا کر جگاتے ہو، اسی طرح اِسے بھی جگاؤ۔ جس طرح مجھے امیر المومنین کہہ کر پکارتے ہو، اسی طرح اسے بھی امیر المومنین کہہ کر پکارو۔ جعفر اور مسرور کو بلاؤ۔

(جعفر اور مسرور آ کر سلام کرتے ہیں)

خلیفہ : (سلام کا جواب دے کر) مسرور! ایک دن کے لیے میری جگہ یہ جوان تمھارا آقا ہے۔ جس طرح روز سویرے تم مجھے نماز کے لیے اُٹھاتے ہو اسی طرح اس کو بھی اُٹھانا اور جعفر! کل یہ آدمی میری جگہ تخت پر بیٹھے گا۔ جس طرح میرا حکم مانتے ہو، اسی طرح اس کا بھی حکم ماننا۔ جس کو یہ سزا دِلوائے، اس کو فوراً سزا دینا اور جس کو یہ انعام دِلوائے، اس کو فوراً انعام دینا۔ بس اب تم اس کو میرے کپڑے پہنا کر بستر پر لٹاؤ۔ میں صبح یہیں چھپ کر اس کے جاگنے کا تماشا دیکھوں گا۔

منظر - ۴

مقام : خلیفہ کی خواب گاہ

(ابوالحسن بڑے بے تکے پن سے خلیفہ کے بستر پر سو رہا ہے۔ دور سے مرغ کی آواز سنائی دیتی ہے۔ پھر کہیں قریب ہی سے اذان کی آواز آتی ہے۔ خدمت گار داخل ہوتے ہیں۔ مسرور ابوالحسن کو جگانے کے لیے کپاس کے پھاہے کو سرکے میں تر کرکے اس کی ناک کے قریب کرتا ہے۔ ابوالحسن زور سے چھینکتا ہے)

ابوالحسن : (آنکھیں بند ہیں) آخ ...تھو۔ (ایک کنیز لپک کر سونے کا اُگالدان اس کے منہ کے آگے کر دیتی ہے) کیا مزے کی نیند آئی تھی۔ (رضائی کو اپنے اوپر کھینچنا چاہتا ہے لیکن اس کی نرمی محسوس کرکے آنکھیں کھول کر اسے غور سے دیکھتا ہے) کتنی عمدہ!...م...مگر یہ تو میری نہیں ہے۔ (سامنے کھڑی ہوئی کنیزوں اور غلاموں پر نظر پڑتے ہی بوکھلا کر اُٹھ بیٹھتا ہے۔ ایک ایک کنیز اور غلام کو باری باری گھور کر دیکھتا ہے۔ کچھ دیر تک بیٹھا رہتا ہے۔ آخر چہرے پر اطمینان کی جھلک آجاتی ہے۔ بڑبڑاتا ہے) آہ، خواب! مگر کتنا حسین! (آنکھیں بند کرکے لیٹنے لگتا ہے۔ سامنے پردے کے پیچھے سے خلیفہ جھانکتے ہیں اور پھر ہٹ جاتے ہیں)

مسرور : (آگے بڑھ کر ابوالحسن کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے) امیر المومنین اُٹھیے، نماز کا وقت جا رہا ہے۔

ابوالحسن : ایں؟ امیر المومنین؟ یعنی خلیفہ؟ (دیدے نچاتا ہے) مگر بھلے مانُس میرا نام ابوالحسن ہے۔

مسرور : (ہنستا ہے) حضور مذاق فرما رہے ہیں...اور ابوالحسن کون؟ حضور کی زبان سے پہلی مرتبہ یہ نام سن رہا ہوں!

ابوالحسن : (حیرت سے مسرور کو تکتا ہے) میں جاگ رہا ہوں کہ سو رہا ہوں؟

مسرور : امیر المومنین! کیا خدانخواستہ طبیعت کچھ ناساز ہے۔

ابوالحسن : (چونک کر آنکھیں کھول دیتا ہے) پیارے بھائی! ذرا غور سے دیکھو مجھے۔ کیا تم مجھ کو پہچانتے ہو؟

مسرور : امیر المومنین ! آج آپ کی زبانِ مبارک سے یہ غلام عجیب باتیں سن رہا ہے۔ آپ سارے مسلمانوں کے خلیفہ ہیں۔

ابوالحسن : (پیٹ پکڑ کر زوردار قہقہہ لگاتا ہے) ہاہاہاہا۔ ہم تمھاری باتوں سے خوش ہوئے۔ (اشارے سے ایک کنیز کو پاس بلاتا ہے)

کنیز : (ادب سے جھکتی ہے) کنیز کے لیے کیا حکم ہے؟ امیر المومنین !

ابوالحسن : (اس کی طرف ہاتھ بڑھاتا ہے) نیک بخت ! لے ذرا میری اُنگلی میں کاٹ تو سہی۔ دیکھوں، جاگ رہا ہوں کہ سوتا ہوں۔
(کنیز اس کی اُنگلی میں زور سے کاٹتی ہے۔ ابوالحسن تلملا کر) ارے مر گیا۔ کم بخت ! بتا تو نے کس کی اُنگلی میں کاٹا؟

کنیز : (ادب سے) امیر المومنین ! میں نے آپ کے حکم سے آپ کی شان میں یہ گستاخی کی ہے۔ مجھے معاف کر دیجیے۔

ابوالحسن : (باچھیں کِھل جاتی ہیں) معاف کیا۔ بالکل معاف کیا۔

(مسہری سے اُترتا ہے۔ مسرور اور سب مل کر ابوالحسن کو شاہی پوشاک پہناتے ہیں۔ پھر سب آہستہ آہستہ باہر جاتے ہیں)

منظر - ۵

مقام : خلیفہ کا دربار

(تخت بچھا ہوا ہے۔ کئی امیر، سردار اور وزیر قیمتی پوشاکیں پہنے باادب کھڑے ہیں۔ ابوالحسن اور مسرور داخل ہوتے ہیں۔ ابوالحسن کے تخت پر بیٹھتے ہی ہر طرف سے مبارک سلامت کا شور اُٹھتا ہے۔ جعفر تخت کے سامنے آ کر جھکتا ہے)

جعفر : خدا ہمیشہ امیر المومنین پر اپنی رحمتوں کا سایہ رکھے۔

حاضرین : آمین، آمین

ابوالحسن : (خوب اکڑ کر اور آواز کو بھاری بنا کر جعفر سے) ہم تمھاری وفاداری کی قدر کرتے ہیں۔ تمھیں اور کچھ عرض کرنا ہے؟

جعفر : امیر المومنین کوئی حکم دینا چاہیں تو کوتوال کو حاضر کیا جائے۔

ابوالحسن : بے شک۔ ہم کو دو بہت ضروری حکم صادر کرنے ہیں۔

کوتوال : (آگے بڑھ کر) غلام حکم کا منتظر ہے۔

ابوالحسن : کوتوال ! سوداگروں کے محلے میں رہنے والے امیر اور اس کے چاروں ساتھیوں کے سر پر تم ابھی جا کر نازل ہو جاؤ۔ پانچوں کی پیٹھیں ننگی کر کے ان پر کوڑے برساؤ۔ سمجھ گئے؟

کوتوال : اچھی طرح امیر المومنین !

ابوالحسن : پھر ان کے چہروں پر سیاہی مل کر، اونٹوں پر سوار کر کے سارے شہر میں پھراؤ۔ ایک آدمی ان کے آگے آگے اعلان کرتا جائے کہ دیکھو لوگو! یہ انجام ہے ان کا جو اپنے محلے والوں کو تنگ کرتے ہیں۔

کوتوال : غلام ابھی اس کا بندوبست کرتا ہے ... اور ... دوسرا حکم امیر المومنین؟

ابوالحسن : دوسرا حکم یہ ہے کہ اسی محلے میں ابوالحسن نام کا ایک نوجوان رہتا ہے۔ اس کی ماں کو ایک ہزار اشرفیاں دی جائیں۔ بس جاؤ۔

(کوتوال جاتا ہے)

منظر - ۶

مقام : خلیفہ کا محل

(رات کے کھانے پر ہارون رشید کے محل میں ابوالحسن کے آگے دسترخوان پر بہترین قسم کے کھانے چنے ہوئے ہیں۔ ابوالحسن کبھی اس قاب پر ہاتھ مارتا ہے، کبھی اس پر)

ابوالحسن : (منہ میں بڑا سا نوالہ ٹھونستے ہوئے) واہ واہ ! کیا لذیذ کھانا ہے۔ (سر اُٹھا کر ایک ایک کنیز کو دیکھ کر) آؤ، آؤ، تم لوگ بھی میرے ساتھ کھاؤ۔ مجھے اکیلے کھانے میں مزہ نہیں آتا۔ (کنیزیں جھجکتی ہوئی دسترخوان پر بیٹھتی ہیں۔ ابوالحسن سب کی طشتریوں میں مٹھائی رکھتا ہے۔ پردے کے پیچھے سے خلیفہ جھانک رہے ہیں۔ کنیزیں ابوالحسن کے ہاتھ دھلاتی ہیں۔ کچھ کنیزیں اسے شربت پیش کرتی ہیں) واہ واہ ! شربت کا کیا کہنا۔ ایک گلاس شربت اور پلا۔ (خلیفہ پیچھے سے اشارہ کرتے ہیں۔ کنیز گلاس میں چپکے سے بے ہوشی کی دوا ملا دیتی ہے۔ ابوالحسن اس گلاس کا شربت پی کر بے ہوش ہو جاتا ہے)

خلیفہ : (سامنے آکر) کافور! اس کا لباس اُتار کر اس کے پرانے کپڑے پہنا دو۔ اور اسے اس کے مکان میں ڈال آؤ۔ مکان کا دروازہ کھلا چھوڑ دینا۔ اس کی بڑی خواہش تھی کہ اس کے محلے کے امیر اور اس کے چاروں ساتھیوں کو ان کے کرتوتوں کی سزا ملے۔ میں نے اس کی خواہش اسی کے ہاتھوں پوری کرادی۔

منظر - ۷

مقام : ابوالحسن کا مکان

(ابوالحسن اپنے بستر پر پڑا سو رہا ہے۔ مرغ کی بانگ سن کر وہ ہڑبڑا کر کروٹ بدلتا ہے)

ابوالحسن : (آنکھیں بند ہیں۔ نیند میں ڈوبی ہوئی آواز میں) اوں... ہونہہ... کہاں مر گئے سب کے سب... مسرور... جعفر...!

(ابوالحسن کی ماں گھبرائی ہوئی داخل ہوتی ہے)

ماں : (ابوالحسن کا شانہ ہلا کر) کیا ہے بیٹا؟ یہ کن لوگوں کو پکار رہے ہو؟

ابوالحسن : (چونک کر ماں کو گھورنے لگتا ہے) تم کون ہو بڑی بی؟

ماں : (حیرت سے) اوئی بیٹا...؟ اپنی اماں کو نہیں پہچانتے؟

ابوالحسن : (تیوریاں چڑھا کر) کیا بکتی ہے بڑھیا؟ ہم امیر المومنین ہیں۔ زبان سنبھال کر بات کر!

ماں : ابوالحسن ! تو کیسی بہکی بہکی باتیں کر رہا ہے؟

ابوالحسن : تو مجھے نہیں جانتی۔ تو اَب جان لے کہ میں خلیفہ، امیر المومنین، تمام مسلمانوں کی جان و مال کا مالک ہوں۔

ماں : (آنکھیں پھاڑ کر آسمان کی طرف ہاتھ اُٹھاتی ہے) یا الٰہی، خیر ہو۔ کیا میرے بیٹے کے اندر کوئی جن سما گیا ہے۔ (ابوالحسن سے بہت پیار کے ساتھ) میرے لعل ! یہ تجھے کیا ہو گیا؟ دیکھ میں تیری ماں ہوں۔ تو میرا بیٹا ابوالحسن ہے۔

ابوالحسن : (پریشان نظروں سے چاروں طرف دیکھتا ہے) نہیں۔ (آنکھیں بند کر کے سوچ میں پڑ جاتا ہے۔ کچھ دیر بعد آنکھیں کھولتا ہے) ہاں امّاں، تم ٹھیک کہتی ہو۔ یہ میرا ہی مکان ہے اور میں ابوالحسن ہوں... مگر... سمجھ میں نہیں آتا۔ یہ شاہی محل میرے دماغ

میں کیوں کر سما گیا!

ماں : (خوش ہوکر بلائیں لیتی ہے) اے میں قربان۔ کبھی کبھی آدمی ایسے بھی خواب دیکھنے لگتا ہے۔

ابوالحسن : خواب؟ ہاں ہوسکتا ہے یہ خواب ہی ہو۔ میں نے دیکھا کہ میں خلیفہ ہوں۔ میری خدمت کے لیے کنیزیں اور غلام ہیں۔ (ہاتھ سے ماتھا رگڑتا ہے)... مجھے خود یقین نہیں آ تا تھا۔ تب میں نے ایک کنیز سے کہا۔ ذرا میری اُنگلی میں کاٹ ... (ایک دم اپنی اُنگلی ہاتھ سے پکڑ کر چلّانے لگتا ہے)... نہیں نہیں ... یہ خواب نہیں ہوسکتا... ہٹو، مجھے جانے دو، میرے دربار کا وقت ہوگیا ہے۔ (اُٹھنے لگتا ہے)

ماں : (ابوالحسن کے دونوں ہاتھ پکڑ کر) بیٹا، خدا کے لیے ... ہوش کی باتیں کر۔ یہ کیا بک رہا ہے؟ کہیں خلیفہ کو خبر ہوگئی تو تیرا بھی وہی حال ہوگا جو ہمارے محلے کے امیر اور اس کے ساتھیوں کا ہوا ...!

ابوالحسن : (امیر کے ذکر پر چونکّا ہوکر) کیوں، کیوں؟ اُنھیں کیا ہوا؟

ماں : اے ہونا کیا تھا! جب ان کی بدمعاشیاں حد سے بڑھیں تو کل کوتوال نے خلیفہ کے حکم سے سب کو خوب کوڑے لگوائے۔ پھر ان کے منہ پر کالک پوت کر اونٹ پر اُلٹا سوار کیا اور سارے شہر میں گھمایا۔ مجھے ڈر ہے خدانخواستہ تیری بھی یہی گت ...

ابوالحسن : (اُچھل کر) میں نے کیا کہا تھا۔ کیوں بڑی بی۔ اب بھی تجھے یقین نہیں آیا؟ کان کھول کر سن لے کہ وہ میں ہی تھا جس نے امیر کو سزا دینے کا حکم دیا تھا اور تو ہے کہ اتنی دیر سے مجھے معلوم نہیں کیا سِکھا پڑھا رہی ہے!

ماں : (رونے لگتی ہے) اللہ! یہ میرے بچے کو کیا ہوگیا!

ابوالحسن : (شاہی لہجے میں) سچ سچ بتا کہ میں تیرا کون ہوں:؟

ماں : (آنسو پونچھ کر ابوالحسن کی بلائیں لینے لگتی ہے) تو! تو میرا لعل ابوالحسن ہے۔ تجھے میں نے اپنی گود میں کھلایا ہے۔ آج نہ جانے کیوں تو خود کو امیر المومنین کہے جا رہا ہے۔ امیر المومنین تو ہم اپنے خلیفہ ہارون رشید کو کہتے ہیں، تو بھلا ایسے بادشاہ کی برابری کیا کرسکتا ہے جو اپنی رعایا کو بے مانگے ہزار ہزار اشرفیاں بانٹ دیتا ہے۔

ابوالحسن : (اشرفیوں کے ذکر پر چونکتا ہے) اشرفیاں! کیسی اشرفیاں؟

ماں : ابھی کل جس وقت اُس امیر اور اس کے گرگوں کو مار پڑ رہی تھی، کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ میں نے دروازہ جو کھولا تو کیا دیکھتی ہوں کہ ایک غلام کھڑا ہے۔ پوچھنے لگا، "ابوالحسن کی ماں تم ہی ہو؟" میں نے کہا، "ہاں۔" بس یہ سنتے ہی اس نے ایک تھیلی میری طرف بڑھائی اور بولا، "لو بڑی امّاں، اس میں پوری ایک ہزار اشرفیاں ہیں اور یہ تم پر خلیفہ کی عنایت ہے۔"

ابوالحسن : (زور سے ہنستا ہے) کیوں! اب بول، کیا کہتی ہے۔ (چھاتی ٹھونک کر) وہ اشرفیاں میں نے بھجوائی تھیں۔ (اُٹھ کر چلنے لگتا ہے۔ ابوالحسن کی ماں دونوں ہاتھوں سے اس کی کمر پکڑ لیتی ہے)

ماں : (چیخ کر) ارے کہاں جاتا ہے۔ کیا تجھے اسی دن کے لیے بڑا کیا تھا؟

(تین پڑوسی دوڑتے ہوئے اندر آتے ہیں اور ماں کو اس سے چھڑاتے ہیں)

پہلا پڑوسی : ہائیں ابوالحسن! تجھے اپنی ماں سے جھگڑتے شرم نہیں آتی۔

ابوالحسن : (غصّے میں) میں نہیں جانتا ابوالحسن کس گدھے کا نام ہے اور اس کی ماں کون ہے۔

دوسرا پڑوسی : یہ تیرا گھر نہیں تو اور کس کا ہے؟ اور یہ بوڑھی خاتون تیری نہیں تو کیا ہماری ماں ہے؟

ابوالحسن : بکواس مت کر گستاخ آدمی۔ یہ میری کچھ نہیں لگتی۔ نہ یہ گھر میرا ہے۔ سن لو کہ میں امیر المومنین ہوں۔ تم سب کا بادشاہ!

ماں : ہائے اللہ! صبح سے یہی رٹ لگی ہوئی ہے کہ میں امیر المومنین ہوں۔ (رونے لگتی ہے)

تیسرا پڑوسی : میں تو سمجھتا ہوں کہ یہ پاگل ہو گیا ہے۔

ابوالحسن : کیا! تیری یہ ہمت کہ مجھے پاگل کہے! کھڑا تو رہ۔ (بڑھ کر لاٹھی اُٹھا لیتا ہے۔ تینوں پڑوسی ڈر کے مارے پیچھے ہٹ جاتے ہیں)

دوسرا پڑوسی : پاگل؟ ارے باپ رے۔ بچاؤ۔ داروغہ صاحب! داروغہ صاحب (پکارتا ہوا دروازے سے باہر گردن نکالتا ہے) داروغہ صاحب! جلدی آئیے۔ یہاں ایک پاگل ہے۔

(داروغہ اندر داخل ہوتا ہے)

داروغہ : (بھاری آواز میں) یہ کیا بلوا مچا رکھا ہے؟

پہلا پڑوسی : داروغہ صاحب! ذرا اِس کو دیکھیے۔ بیٹھے بٹھائے اپنے آپ کو امیر المومنین کہنے لگا ہے۔

تیسرا پڑوسی : صاحب یہ پاگل ہو گیا ہے۔ اس کو جلدی ہی بند نہیں کیا گیا تو محلے والوں کے لیے سخت خطرہ ہے۔

داروغہ : (ابوالحسن سے) کیوں بے۔ ابھی کل اُس امیر کا حشر دیکھ چکا ہے۔ اس کے بعد بھی ہوش ٹھکانے نہیں آئے؟

ابوالحسن : (دانت پیس کر) نمک حرام۔ تری یہ مجال کہ اپنے خلیفہ سے ابے تبے کرے۔ ٹھہر تو سہی...!

داروغہ : لینا تو اِسے (تینوں پڑوسی ابوالحسن کو مضبوطی سے پکڑ لیتے ہیں۔ داروغہ کوڑا نکال کر ابوالحسن کو مارتا ہے۔ اُس کی ماں پھر رونے لگتی ہے)

ماں : خدا کے لیے اسے نہ مارو۔ یہ پاگل نہیں ہوا ہے۔ اس کو شیطان نے بہکا دیا ہے۔ پرسوں رات وہ ایک سوداگر کے بھیس میں آیا تھا۔

ابوالحسن : اپنی چونچ بند رکھ بڑھیا! آج ہم دربار میں اس داروغہ کو ایسی سزا دیں گے کہ لوگ اُس امیر کی درگت بھول جائیں گے۔

داروغہ : (بھنویں چڑھا کر) آچ.... چھا (ابوالحسن کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال کر دروازے کی طرف چلتا ہے)

ماں : کہاں لیے جا رہے ہو میرے بچے کو۔ خدا کے واسطے اسے چھوڑ دو۔ اس پر کسی جن کا سایہ ہو گیا ہے۔

منظر – ۸

مقام : قید خانہ

(ابوالحسن بری حالت میں لوہے کے ایک پنجرے میں بند ہے۔ابوالحسن کی ماں داخل ہوتی ہے)

ماں : (پنجرے کے قریب جا کر روتی ہوئی) میرے لعل۔ میں تجھ پر قربان۔ پندرہ دن سے پنجرے میں بند ہے۔

ابوالحسن : (ماں کے ہاتھ پکڑ کر) ہائے میری امّاں۔ (چیخیں مار مار کر روتا ہے) مجھے یہاں سے نکلواؤ امّاں۔ روز مجھے کوڑے مارتے ہیں۔ مجھے 'امیر المومنین' کہتے ہیں۔نہیں اماں۔ میں امیر المومنین نہیں بننا چاہتا۔

ماں : (خوش ہوکر) پھر تو اپنے آپ کو کیا سمجھتا ہے؟

ابوالحسن : (آنسو پونچھ کر) میں تمھارا بیٹا ہوں ... ابوالحسن!

ماں : ہائے ... تجھے پہلے یہ بات کیوں نہ سوجھی؟ ناحق اپنی دُرگت بنوائی اور مجھے بھی ہلکان کیا۔

ابوالحسن : (اپنا ماتھا رگڑتا ہے) سمجھ میں نہیں آتا اماں۔ وہ سب مجھے اچھی طرح یاد ہے۔کنیزیں تھیں، غلام تھے، دربار لگا تھا۔کیا یہ صرف خواب تھا؟

ماں : میں تو جانتی ہوں، یہ سب اسی سوداگر کی کارستانی ہے۔ وہ موا شیطان تھا جس نے تجھے بہکا دیا۔

ابوالحسن : ہاں ہاں، ضرور یہی بات تھی! مگر اماں مجھ کو یہاں سے چھٹکارا دلاؤ، نہیں تو میں مَر جاؤں گا۔

ماں : (ابوالحسن کی بلائیں لیتی ہوئی) اے، خدا نہ کرے، خدا نہ کرے۔

(داروغہ داخل ہوتا ہے)

داروغہ : بڑی بی جاؤ بس۔ اب کل آنا۔

ماں : داروغہ صاحب! میرا بیٹا ٹھیک ہوگیا ہے۔ بالکل ٹھیک ہوگیا۔اب وہ اپنے کو ابوالحسن کہتا ہے۔ پوچھ کر دیکھ لیجیے۔

داروغہ : (ابوالحسن سے) کیوں جناب۔اب تو آپ کے دماغ کے کیڑے جھڑ گئے؟

ابوالحسن : جی بالکل۔ بالکل۔ اور اگر جلدی ہی مجھے چھوڑا نہ گیا تو سر کے بال بھی جھڑ جائیں گے۔

داروغہ : خوب! کیا میں آپ کا نام پوچھ سکتا ہوں؟

ابوالحسن : جی، خاکسار کو ابوالحسن کہتے ہیں۔

داروغہ : (تعجب کے لہجے میں) بھئی واہ! اور یہ بڑی بی جو کھڑی ہیں، یہ کون ہیں؟

ابوالحسن : یہ میری والدۂ محترمہ ہیں جنھوں نے مجھے بچپن سے ....

داروغہ : (بات کاٹ کر) بس بس! تو گویا اب تم بالکل ٹھیک ہو! (کہتے ہوئے پنجرے کا قفل کھول دیتا ہے۔ابوالحسن باہر نکل کر ماں کے گلے لگ جاتا ہے)

ماں : (ابوالحسن کو تھپکتے ہوئے) خدا آپ کو سلامت رکھے داروغہ صاحب!

داروغہ : مگر دیکھو ابوالحسن، تمھارے سر پر یہ بھوت پھر نہ سوار ہونے پائے ...

(ماں بیٹا چلے جاتے ہیں)

منظر - ۹

مقام : بغداد کا پُل

(قید سے چھوٹ کر ابوالحسن پھر پہلے کی طرح روز ایک مہمان کو اپنے گھر لے جا کر اس کی دعوت کرتا ہے۔ اس وقت بھی وہ پل پر بیٹھا کسی مسافر کا انتظار کر رہا ہے)

ابوالحسن : (اپنے آپ سے) ارے بھئی کوئی اللہ کا بندہ اِدھر بھی آ نکلے۔ کیا آج کوئی نہیں آئے گا۔ (ہاتھ سے آنکھوں پر چھجا بنا کر داہنی طرف دیکھتا ہے) اوہو ہو۔ کوئی آ رہا ہے۔ کہیں باہر ہی کا معلوم ہوتا ہے۔ (اور ذرا غور سے دیکھتا ہے) پیچھے پیچھے ایک دُم چھلا بھی لگا ہوا ہے... اس کا غلام ہے شاید... اررر... رے باپ...!! (بوکھلا جاتا ہے) یہ... یہ تو وہی موصل کا سوداگر ہے!! کم بخت پھر اِدھر آ ٹپکا! خدا بچائے اس منحوس سے۔

سوداگر : (قریب آ کر) بھائی ابوالحسن۔ السلام علیکم۔ مجھے پہچانا؟

ابوالحسن : (منہ پھیرے پھیرے) جاؤ میاں، اپنا رستہ ناپو۔ میں تمھیں نہیں پہچانتا۔

سوداگر : ہائیں!! اتنی جلدی بھول گئے مجھے۔ تم نے اپنے مکان پر میری دعوت کی تھی۔ واہ! کیا لذیذ کھانا کھلایا تھا۔

ابوالحسن : کی ہوگی دعوت۔ روز ہی کسی نہ کسی کی دعوت کرتا ہوں۔ اس کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ ایک ایک کی صورت بھی یاد رکھتا پھروں۔

سوداگر : یہ بے مروّتی! آخر تمھیں مجھ سے کیا تکلیف پہنچی کہ اتنے ناراض ہو؟

ابوالحسن : کچھ نہیں، آپ تو بڑے بھولے بھالے ہیں۔ بس اتنا احسان کرو کہ میرے پاس سے چلے جاؤ۔

سوداگر : (ابوالحسن کے گلے لگ کر) یہ کیوں کر ہوسکتا ہے؟ میں بھلا تمھارے ایسے دوست کو چھوڑ دوں؟ مگر آخر ہوا کیا؟ کیوں مجھ سے اس قدر خفا ہو!!

ابوالحسن : اب پوچھتے ہو تو بتائے دیتا ہوں۔ ہوا یہ کہ میں نے جب تمھاری دعوت کی تھی تو کہہ دیا تھا کہ باہر کا دروازہ بند کرتے جانا۔ مگر تم نے میری بات نہ مانی...

سوداگر : ہاں یہ تو سچ ہے! واقعی مجھے خیال نہیں رہا تھا۔

ابوالحسن : اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دروازہ کھلا پا کر شیطان اندر گھس آیا۔ اور اس نے میرے دماغ میں یہ خیال ڈال دیا کہ میں خلیفہ ہوگیا ہوں۔

سوداگر : (تعجب سے) اوہو! تو پھر؟

ابوالحسن : پھر یہ کہ میں نے اسی خیال میں اپنی ماں کو ڈانٹا۔ خدا مجھے معاف کرے۔ اپنے پڑوسیوں پر لٹھ لے کر دوڑا۔ انھوں نے مجھے پاگل جان کر داروغہ کو بلایا اور قید کروا دیا۔ وہ روز شام کو میری پیٹھ پر کوڑے لگواتا اور پوچھتا تھا "اور کوئی خدمت امیر المومنین؟"... اگر تمھیں یقین نہ آتا ہو تو یہ دیکھو کوڑوں کے نشان۔ (پیٹھ کھول کر خلیفہ کو نشان دِکھاتا ہے)

سوداگر : (افسوس کرتے ہوئے) آہ! مجھے نہیں معلوم تھا کہ میرے دوست پر یہ مصیبت ٹوٹی ہے۔

ابوالحسن : صرف تمھاری وجہ سے!

سوداگر : اچھا خیر جو ہوا سو ہوا۔ میرا قصور معاف کردو۔ اس بار تو موصل سے آیا ہی اس لیے ہوں کہ ایک دفعہ اور تمھارے ساتھ کھانے پینے کا لطف اُٹھاؤں۔

ابوالحسن : نہیں نہیں، مجھے معاف ہی رکھو۔ اب میں نے قاعدہ بنا لیا ہے کہ ایک مرتبہ سے زیادہ کسی کو اپنے گھر نہیں لے جاؤں گا۔

سوداگر : نہیں دوست، مجھے ٹالنے کی کوشش نہ کرو۔

ابوالحسن : (کچھ دیر سوچنے کے بعد) خیر، اب تمھاری بات کیا ٹالوں۔ چلو۔ مگر ایک وعدہ ابھی سے کرلو۔

سوداگر : وہ کیا؟

ابوالحسن : کہ اب کی بار جاتے وقت باہر کا دروازہ بند کرنا نہ بھولو گے۔

سوداگر : ٹھیک ہے۔ میں وعدہ کرتا ہوں۔

منظر - ۱۰

مقام : خلیفہ کا محل

(خلیفہ محل میں داخل ہوتے ہیں۔ ان کے پیچھے کافور ابوالحسن کو اپنے کندھے پر لادے ہوئے داخل ہوتا ہے۔ سب لوگ خلیفہ کو سلام کرتے ہیں۔ خلیفہ سلام کا جواب دے کر مسرور کو آواز دیتے ہیں)

مسرور : (آگے بڑھ کر) امیر المومنین!

خلیفہ : اس بے چارے کو میری وجہ سے بہت تکلیفیں اُٹھانا پڑی ہیں۔ آج پھر میں اس سے ملا۔ اس کے گھر جا کر دعوت کھائی اور بے ہوش کر کے اسے اپنے ساتھ اُٹھوا لایا۔ آج بھی یہ میری جگہ سوئے گا...اور کل سویرے یہ ابوالحسن نہیں ہوگا۔

مسرور : میں سمجھ گیا امیر المومنین۔

خلیفہ : اور اب میں اسے اتنا انعام دوں گا کہ یہ اپنی تمام پچھلی تکلیفیں بھول جائے گا...اس کو میرا لباس پہنا کر بستر پر لٹا دو۔

(مسرور حکم کی تعمیل کرتا ہے)

منظر - ۱۱

مقام : محل میں سونے کا کمرہ

(ابوالحسن خلیفہ کے بستر پر پڑا سو رہا ہے۔ سب خدمت گار اپنے اپنے سامان کے ساتھ تیار کھڑے ہیں۔ خلیفہ پردے کے پیچھے سے یہ منظر دیکھ رہے ہیں۔ مسرور ابوالحسن کو پہلے کی طرح جگاتا ہے)

مسرور : (ابوالحسن کے شانے پر ہاتھ رکھ کر) امیر المومنین!

ابوالحسن : نہیں نہیں! میں ابوالحسن ہوں۔ میں یہ خواب دیکھنا نہیں چاہتا۔ (بیٹھ کر آنکھیں کھول دیتا ہے) ایں...آنکھیں کھولنے پر بھی...!! (بے تحاشا بستر پر کھڑا ہو کر چلّاتا ہے) او سوداگر کے بچے...! تو نے پھر دروازہ کُھلا چھوڑ دیا...!!

مسرور : (بڑی گھبراہٹ ظاہر کرتا ہے) امیر المومنین، امیر المومنین، خیر تو ہے؟

ابوالحسن : کیا بک رہا ہے ملعون! میں ابوالحسن ہوں۔

مسرور : امیر المومنین! یہ ابوالحسن کون ہے؟ کل بھی حضور نے اسی کا نام لیا تھا اور اپنے کو امیر المومنین ماننے سے انکار کر دیا تھا! پھر بعد میں اسی ابوالحسن کی ماں کو اشرفیاں بھجوائی تھیں۔

ابوالحسن : (حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر) کل... یہ کل کی بات ہے؟ اس بھیانک خواب کو دو مہینے ہو رہے ہیں۔

مسرور : معلوم ہوتا ہے امیر المومنین نے پھر کوئی خواب دیکھا ہے اور خواب میں پھر وہی مردود ابوالحسن!

ابوالحسن : (غصّے میں تیوریاں چڑھا کر) کیا کہا؟ میں مردود ہوں؟

مسرور : (دونوں ہاتھوں سے اپنے کان پکڑ کر) توبہ توبہ! میری یہ مجال! میں تو ابوالحسن کی بات کر رہا تھا اس لیے کہ کل بھی سویرے اُٹھ کر حضور نے اسی کا نام لیا تھا اور آج بھی...

ابوالحسن : اُف! (دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ لیتا ہے) کل اور آج! کل اور آج!! میں کہتا ہوں بیچ میں سے وہ دن کہاں غائب ہو گئے جب میں طوطے کی طرح پنجرے میں بند تھا اور پیٹھ پر کوڑے کھا کر بھینسے کی طرح ڈکراتا تھا!

مسرور : خدا ایسا خواب امیر المومنین کو پھر نہ دِکھائے!

ابوالحسن : خواب؟ ارے میری پیٹھ پر کوڑوں کے نشان ابھی تک موجود ہیں۔ لے تو خود دیکھ لے (پیٹھ پر سے لباس ہٹاتا ہے)

مسرور : (جھک کر اس کی پیٹھ دیکھتا ہے) کہیں بھی نہیں حضور، آپ کی پیٹھ تو آئینے کی طرح صاف ہے۔

ابوالحسن : ایں! آئینے کی طرح! (چلّاتا ہے) خدا مجھے شیطان سے بچائے! پھر وہ ساری مصیبتیں جو مجھ پر گزریں؟ کیا وہ خواب تھا! (خوش ہو کر) ہاں یہی ٹھیک ہے۔ (آواز کو رعب دار بناتے ہوئے) تو ہم امیر المومنین ہیں۔

داروغہ : (پردے کے پیچھے سے) امیر المومنین! اب آپ کا یہ غلام آپ کی خدمت کے لیے تیار ہے، بسم اللہ! (کوڑا چلنے کی آواز آتی ہے)

ابوالحسن : (سہم کر) نہیں، میں امیر المومنین نہیں ہوں (مسرور سے) تم نے یہ آواز سنی؟

مسرور : خواب میں سنی ہوئی آوازیں ابھی تک حضور کے کان میں گونج رہی ہیں۔

ابوالحسن : آہ! (لیٹ جاتا ہے) سمجھ میں نہیں آتا کہ اُسے خواب سمجھوں یا اِسے.... (اُٹھ کر کنیز کو آواز دیتا ہے) کنیز! لے بھلا میری اُنگلی میں کاٹ تو سہی، خوب زور سے! (اس کی طرف اپنا ہاتھ بڑھاتا ہے)

کنیز : میری ہمت نہیں پڑتی، امیر المومنین۔

ابوالحسن : بس یہ آخری امتحان ہے۔ اگر تکلیف سے میری آنکھ کھل گئی تو ابوالحسن ورنہ امیر المومنین۔

کنیز : (پردے کی طرف دیکھتی ہے۔ خلیفہ پردے کے پیچھے سے اسے اشارہ کرتے ہیں) میری خطا معاف فرمائیں، امیر المومنین۔ (ابوالحسن کی اُنگلی میں کاٹتی ہے)

ابوالحسن : (بلبلا کر بستر پر سے کود پڑتا ہے) ہائے مار ڈالا!

(خلیفہ ابوالحسن کو ناچتا دیکھ کر ہنستے ہوئے پردے سے باہر نکل آتے ہیں)

خلیفہ : (ہنسی روکنے کی کوشش کرتے ہوئے) ابوالحسن خدا کے لیے بس کر۔ کیا ہنساتے ہنساتے مار ہی ڈالے گا؟ (ابوالحسن چونک کر خلیفہ کو گھورنے لگتا ہے)

ابوالحسن : (پہچان کر) مو....صل کا سوداگر!

خلیفہ : (مسکراتے ہوئے) نہیں!

ابوالحسن : پھر....؟

مسرور : امیر المومنین ہارون رشید۔

ابوالحسن : کیا؟ (دیر تک حیران کھڑا رہتا ہے پھر ایک دم جھک کر سلام کرتے ہوئے) مگر غلام کی سمجھ میں نہیں آیا کہ حضور نے میرے ساتھ کیوں یہ مذاق فرمایا۔

خلیفہ : اس لیے کہ اس امیر اور اس کے ساتھیوں کو تمھارے ہی ہاتھوں سزا دلوا دوں۔ میں سمجھا تھا کہ اپنے گھر میں آنکھ کھلنے پر تم اس واقعے کو خواب سمجھ کر بھول بھال جاؤ گے۔

ابوالحسن : سبحان اللہ! تو گویا اس معاملے میں ساری خطا میری ہی تھی...؟ خیر، مگر اب میری ایک درخواست ہے۔

خلیفہ : وہ کیا؟

ابوالحسن : کہ مجھے کبھی کبھی حضور کی خدمت میں حاضر ہونے کا موقع ملتا رہے۔

خلیفہ : جعفر! آج سے ہم نے ابوالحسن کو اپنا خاص مصاحب مقرر کیا۔ اس کو ایک مکان دیا جائے، ماہانہ تنخواہ مقرر کی جائے اور اب تک جتنے کوڑے اس نے کھائے ہیں، اتنی ہی اشرفیاں اسے انعام میں دی جائیں۔

ابوالحسن : (جھک کر سلام کرتا ہے) خدا امیر المومنین کو ہزاروں برس سلامت رکھے...مگر...کہیں یہ بھی حضور کا مذاق تو نہیں؟

خلیفہ : (ہنستے ہوئے) نہیں...وہ خلیفہ کا مذاق تھا اور یہ خلیفہ کا حکم ہے۔

ابوالحسن : ڈر رہا ہوں کہ کہیں ابھی تک خواب ہی نہ دیکھ رہا ہوں۔

کنیز : یقین نہ آتا ہو تو لاؤ ایک مرتبہ پھر تمھاری اُنگلی میں کاٹ کھاؤں؟

خلیفہ : (ہنسنے لگتے ہیں) ہاں ہاں، یہ ٹھیک ہے۔

ابوالحسن : (گھبرا کر پیچھے ہٹ جاتا ہے) نہیں بابا! مجھے بالکل یقین آ گیا۔

(سب ہنسنے لگتے ہیں۔ پردہ گرتا ہے)

مشقی سرگرمیاں

* اضافی مطالعے کے ڈرامے پر دی ہوئی سرگرمیوں کو ہدایات کے مطابق مکمل کیجیے۔

۱۔ ڈرامے میں بیان کردہ مقامات کے نام لکھیے۔

۲۔ ڈرامے کے اہم کرداروں کے نام اور ان کی شناخت لکھیے۔

۳۔ دعوت قبول کرنے والوں کے لیے ابوالحسن کی شرط لکھیے۔

۴۔ خلیفہ کے موصل کے سوداگر کا بھیس بدلنے کی وجہ لکھیے۔

۵۔ ابوالحسن کو ایک دن کا خلیفہ بنائے جانے کا سبب لکھیے۔

* ذیل کی سرگرمیوں کو وضاحت کے ساتھ مکمل کیجیے:

(i) ابوالحسن کے قید خانہ جانے کے واقعے کو مختصراً بیان کیجیے۔

(ii) ابوالحسن کے دوستوں اور دوستی کے نظریے سے متعلق اپنی رائے تحریر کیجیے۔

(iii) "وہ خلیفہ کا مذاق تھا اور یہ خلیفہ کا حکم ہے" سبق کے حوالے سے اس بیان کو واضح کیجیے۔

(iv) ڈرامے سے اپنے کسی پسندیدہ کردار پر روشنی ڈالیے۔

(v) سندباد، علی بابا اور الہٰ دین کے قصے بھی 'الف لیلہ' کی داستان میں شامل ہیں، انھیں تلاش کرکے پڑھیے۔

* دیے ہوئے حروف کے نمبروں کے مطابق ذیل کے جوابی نمبروں سے صحیح ترتیب نقل کرکے بننے والا لفظ لکھیے۔

(i 'افسردہ/ مرجھایا ہوا' کے مفہوم والا لفظ:

حروف کے نمبر: پ د ر ژ م ہ

1 2 3 4 5 6

(i) 1 4 5 3 2 6 (ii) 1 2 5 4 6 3

(iii) 1 5 4 3 2 6

(ii 'جھگڑا/ تنازع' کے معنی والا لفظ ترتیب پاتا ہو۔

حروف کے نمبر: ض ق ہ ی

1 2 3 4

(i) 2 3 1 4 (ii) 2 4 3 1

(iii) 2 1 4 3

اضافی معلومات

خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ

معروف مؤرّخ سر جادو ناتھ سرکار کے مطابق ہندوستان میں فنونِ لطیفہ کو انگریزی عہدِ حکومت میں حیاتِ ثانی دینے والے وائسرائے لارڈ کرزن نے ۱۹۰۳ء میں جب خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری کے ذخائر دیکھے تو ان کی زبان پر فارسی کا یہ مشہور شعر تھا، "اگر فردوس بروئے زمیں است - ہمیں است ہمیں است وہمیں است۔" جادو ناتھ سرکار ہی نے یہ بھی لکھا ہے کہ "وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کے (خدا بخش کے) تحفے کی قدر و قیمت اور ہماری قوم کی ترقی میں اس کی اہمیت بڑھتی جائے گی۔ جب یہ عبارت لکھی جارہی تھی تو کتب خانے میں مخطوطات کی تعداد پانچ ہزار تھی۔ آج یہ تعداد اٹھارہ ہزار سے بھی آگے بڑھ چکی ہے۔ دنیا بھر میں اپنے نادر و کمیاب عربی و فارسی مخطوطات کے اس کتب خانے کے قیام کا سہرا ایک فرماں بردار بیٹے کی اپنے باپ کی آخری خواہش کو پورا کرنے کی کوشش کا نتیجہ ہے۔ ۱۸۷۶ء میں مولوی محمد بخش نے انتقال کے وقت خدا بخش کو اپنے جمع کیے ہوئے ۱۴۰۰ مخطوطات دیتے ہوئے وصیت کی کہ ان مخطوطات سے ایک عام کتب خانہ قائم کردیا جائے۔ کتب خانے کی تاریخ میں ۱۸۷۶ء بہت مبارک سال تھا کہ اسی سال امریکہ میں کارکنانِ کتب خانہ کی انجمن قائم ہوئی، اسی سال ڈیوی درجہ بندی ضابطے کا پہلا اڈیشن شائع ہوا اور چند ماہ بعد ہی انگلینڈ میں بھی ایک لائبریری انجمن قائم کی گئی۔ خدا بخش صاحب پٹنہ کے کامیاب وکلا میں سے تھے۔ وہ چند برس کے لیے حیدرآباد ہائی کورٹ کے چیف جسٹس بھی بنائے گئے تھے۔ ان کی سماجی خدمات کی بدولت انگریز حکومت نے انھیں 'خان بہادر' کا خطاب دیا تھا۔ ایک مصروف زندگی گزارنے کے باوجود وہ اپنے والد کی وصیت کی تکمیل سے غافل نہیں رہے۔ کتب خانے کے لیے پٹنہ کے بانکی پور علاقے میں ایک خوب صورت عمارت تعمیر کرائی جس میں ۱۸۹۱ء میں بنگال کی لیفٹیننٹ گورنر کے ہاتھوں کتب خانے کا افتتاح ہوا۔ کتب خانے میں ۲۱,۱۳۶ مخطوطات اور ڈھائی لاکھ مطبوعات ہیں۔

تحریری سرگرمیاں

خط نویسی

خط لکھنا ایک فن ہے۔ خط میں اپنے خیالات و احساسات کو مختصر اور جامع انداز میں تحریر کیا جاتا ہے۔ ماضی قریب میں خط کو بہت اہمیت حاصل رہی ہے۔ سابقہ جماعتوں میں آپ زبان و ادب کے مشہور افراد کے خطوط کا مطالعہ کر چکے ہیں۔ ایک وقت تھا جب ہم اپنے متعلقین کو پابندی سے خط لکھا کرتے تھے لیکن ٹیلی فون، موبائل، ای میل اور رابطے کے دیگر جدید ترین وسائل کے مروّج ہوجانے کی وجہ سے خطوط کا لکھنا کم ہوتا جا رہا ہے لیکن خط کے ذریعے تبادلۂ خیالات میں کمی آجانے کے باوجود اس کی اہمیت و افادیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ خط کی دو قسمیں ہیں۔

رسمی خط	غیر رسمی خط
عریضہ، درخواست، کاروباری خط	رشتہ داروں، دوستوں وغیرہ کو لکھا جانے والا خط

موجودہ دور میں خط لکھنے کے لیے ای میل اور دیگر تکنیکی وسائل کا استعمال بڑھ گیا ہے۔ مستقبل میں ان وسائل کا بہت زیادہ استعمال ہوگا اس لیے تکنیک کے پیش نظر خط نویسی کے اس طریقے کو متعارف کیا جا رہا ہے۔

رسمی خط

تاریخ

مکتوب الیہ کا نام، عہدہ

رابطے کا پتہ

القاب

مقصد

خط کا مضمون : تمہید، موضوع کی مختصر تفصیل، تجویز

مکتوب نگار کے دستخط

نام اور پتا

انسلاکات : اگر خط/ عریضے کے ساتھ کوئی دستاویزی کاغذ منسلک کیا جا رہا ہے تو اس کا تذکرہ۔

غیر رسمی خط

تاریخ

القاب و آداب

احوال کا اظہار اور خیریت پُرسی

آپسی معاملات کا اظہار

رشتے اور تعلق کے لحاظ سے جملے

اختتامی کلمات

مکتوب نگار کے دستخط

نام اور پتا

جانچ کے نکات: پانچ نمبرات پر مشتمل اس تحریری سرگرمی کی قدر پیمائی کے لیے خط، خط کا خاکہ، مقصد، القاب، نفسِ مضمون اور پیشکش کے پیشِ نظر نمبرات دیے جائیں۔ نفسِ مضمون پر خاص توجہ دی جائے۔

نمونہ سرگرمی برائے خط نویسی

دیے گئے 'کل مہاراشٹر مقابلۂ دینیات سلسلہ نمبر ۳' سے متعلق اعلامیے کو بغور پڑھیے اور ہدایت کے مطابق سرگرمی کو مکمل کیجیے۔

اُردو پروگریسیو ٹیچرس ایجوکیشنل کلچرل سوسائٹی (UPTECS)

کے زیرِ اہتمام

کل مہاراشٹر مقابلۂ دینیات سلسلہ نمبر ۳

بروز پیر اور منگل، یکم اور ۲ جنوری ۲۰۱۸ء

مقام : اے۔آر۔ایم ملٹی پرپز ہال، ناندگاؤں

عنوانات

- وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا
- سرورِ کونینؐ کے فرمان اور ہم
- محمدؐ۔ امن اور سلامتی کے علمبردار

تقریری مقابلہ

بروز پیر، یکم جنوری ۲۰۱۸ء
صبح ۹ بجے تا شام

مضمون نویسی

بروز منگل، ۲/جنوری ۲۰۱۸ء
صبح نو بجے تا دوپہر ایک بجے

جونیئر گروپ
جماعت پنجم تا ہشتم

سینئر گروپ
جماعت نہم تا دہم

انعامات :

اوّل	:	شیلڈ + 2500 روپے نقد + سرٹیفکیٹ
دوم	:	کپ + 2100 روپے نقد + سرٹیفکیٹ
سوم	:	گفٹ ہیمپر + 1700 روپے نقد + سرٹیفکیٹ

آپ کو مدعو کرتے ہوئے دلی مسرت محسوس کرتے ہیں۔ اُمید کہ مقابلے میں شریک ہوکر محبت و عقیدت کا ثبوت دیں گے۔

صدر ——— المنتظرین ——— سکریٹری

سوال ۱ : آپ کے چھوٹے بھائی نے اس تقریری مقابلے میں اوّل انعام حاصل کیا ہے۔ اسے تہنیتی خط لکھیے۔

سوال ۲ : آپ کے دوست نے مضمون نویسی مقابلے میں حصہ لیا۔ انعام نہ ملنے کی وجہ سے بہت مایوس ہے۔ حوصلہ افزائی کے لیے خط لکھیے۔

سوال ۳ : انھی تاریخوں میں آپ کے اسکول میں 'سالانہ تقریب' کا انعقاد ہو رہا ہے۔ آپ کے اسکول کے طلبہ اس مقابلے میں شریک نہیں ہو سکتے۔ اس کے لیے معذرتی خط صدر و سکریٹری کے نام لکھیے۔ (نکات میں اضافے کی اجازت ہے۔)

خلاصہ نویسی

تلخیص یا خلاصہ نویسی دراصل پڑھے گئے لسانی مواد کی تفہیم کے ماحصل کی جانچ ہے یعنی طلبہ نے مثال کے طور پر جو سبق پڑھا تو اسے سمجھ کر وہ پڑھے گئے مواد کو اپنے لفظوں میں کس حد تک بیان کرسکتا ہے۔ تفصیلی مواد کا خلاصہ تحریر کرنا اہم تحریری مہارت ہے۔ اس سرگرمی کو فروغ دینے کے لیے خلاصہ نویسی کو نصاب میں شامل کیا گیا ہے۔

خلاصہ صرف سطروں کی کانٹ چھانٹ یا جملے کم کر کے لکھنا نہیں ہے بلکہ کسی مفصل خیال کو جامع اور مختصر انداز میں تحریر کرنا ہے۔

خلاصہ تحریر کرنے سے قبل -
- ☆ عبارت کو دو تین مرتبہ غور سے پڑھ لیا جائے۔
- ☆ عبارت کے مرکزی خیال کو اچھی طرح ذہن نشین کرلیا جائے۔

خلاصہ تحریر کرتے وقت -
- ☆ عبارت کے جملے، الفاظ، تراکیب کو ہو بہو نقل نہ کیا جائے۔
- ☆ صرف مرکزی خیال اور اہم نکات کو اختصار کے ساتھ اپنے جملوں میں لکھا جائے۔
- ☆ خلاصے کی عبارت ادھوری محسوس نہ ہو اور نہ ہی کسی نکتے کو نظر انداز کیا جائے۔

خلاصے کا نمونہ-۱

☆ دیے ہوئے اقتباس کو پڑھ کر خلاصہ لکھیے۔

احاطے کے شمالی گوشے میں ایک نیم کا درخت ہے۔ کچھ دن ہوئے ایک وارڈر نے اس کی ٹہنی کاٹ ڈالی تھی اور جڑ کے پاس پھینک دی تھی۔ بارش ہوئی تو تمام میدان سرسبز ہونے لگا۔ نیم کی شاخوں نے بھی زرد چیتھڑے اُتار کر بہار کی شادابی کا نیا جوڑا پہن لیا۔ جس ٹہنی کو دیکھو ہرے ہرے پتّوں اور سفید سفید پھولوں سے لدرہی ہے لیکن اس کٹی ہوئی ٹہنی کو دیکھیے تو گویا اس کے لیے کوئی انقلابِ حال ہوا ہی نہیں، ویسی ہی سوکھی پڑی ہے۔

یہ بھی اس درخت کی ایک شاخ ہے جسے برسات نے آتے ہی زندگی اور شادابی کا نیا جوڑا پہنا دیا۔ یہ آج بھی دوسری ٹہنیوں کی طرح بہار کا استقبال کرتی ہے مگر اب اسے دنیا کے موسمی انقلابوں سے کوئی سروکار نہ رہا۔ بہار وخزاں، گرمی اور سردی، خشکی وطراوت اس کے لیے سب یکساں ہوگئے۔

کل دوپہر کو اس طرف سے گزر رہا تھا کہ یکایک اس شاخِ بریدہ سے پاؤں ٹکرا گیا۔ میں رُک گیا اور اسے دیکھنے لگا۔ میں سوچنے لگا کہ انسان کے دل کی سرزمین کا بھی یہی حال ہے۔ اس باغ میں بھی اُمید وطلب کے بے شمار درخت اُگتے ہیں اور بہار کی آمد آمد کی راہ تکتے رہتے ہیں لیکن جن ٹہنیوں کی جڑ کٹ گئی اُن کے لیے بہار وخزاں کی تبدیلیاں کوئی اثر نہیں رکھتیں۔ کوئی موسم بھی انھیں شادابی کا پیغام نہیں پہنچا سکتا۔

خلاصہ-۱

احاطے کے گوشے میں نیم کا درخت ہے۔ وارڈر نے اس کی ٹہنی کاٹ کر پھینک دی۔ بارش ہوئی تو میدان اور نیم کی شاخوں پر ہریالی اور سرسبزی آ گئی۔ درخت کی ٹہنیاں ہرے پتوں اور سفید پھولوں سے لد گئی مگر کٹی ہوئی ٹہنی یونہی سوکھی رہ گئی۔ ایسا لگ رہا تھا کہ موسم کی تبدیلی کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ سب موسم اس کے لیے یکساں ہو گئے۔ ٹہنی کی اس حالت کو دیکھ کر احساس ہوا کہ انسان کا حال بھی ایسا ہی ہے۔ جو لوگ حق کی جڑ سے کٹ گئے ان پر کوئی بات اثر نہیں کرتی۔

جانچ کے نکات: جانچ کے دوران خیالات کا تسلسل، متن کا مرکزی خیال، صحتِ زبان اور اختصار کا خصوصی خیال رکھا جائے۔

درسی، غیر درسی اقتباس پر مبنی سرگرمیاں

اقتباس پر مبنی سرگرمیاں دراصل تفہیم، انطباق، استعمال اور ذاتی رائے کی جانچ ہے۔

اقتباس کا انتخاب:

۱۔ درسی یا غیر درسی اقتباس ۱۳۰ تا ۱۵۰/ الفاظ پر مشتمل ہو۔

۲۔ اقتباس مکمل ہو۔ ادھوراپن محسوس نہ ہو۔

۳۔ اقتباس غور و فکر اور تحریک دینے والا ہو۔

۴۔ اقتباس سے متعلق آزادانہ رائے دی جا سکتی ہو۔

سرگرمیاں:

۱۔ تفہیم کی جانچ کے لیے چار آسان معروضی سرگرمیاں	½ × 4 = 2
۲۔ انطباق کی جانچ کے لیے ایک آسان تفصیلی سرگرمی	2 × 1 = 2
۳۔ استعمال کی جانچ کے لیے قواعد یا ذخیرۂ الفاظ پر مبنی دو سرگرمیاں	1 × 2 = 2
۴۔ ذاتی رائے کے اظہار کی جانچ کے لیے ایک سرگرمی	1 × 1 = 2

جانچ کے نکات:

۱۔ تفہیم اور ذخیرۂ الفاظ پر مبنی سرگرمیاں - جواب ہدایات کے مطابق ہوں۔

۲۔ انطباق پر مبنی تفصیلی سرگرمی - اقتباس کی روشنی میں، مواد کے اعتبار سے تین تا چار جملوں میں لکھا گیا ہو۔

۳۔ قواعد - ہدایت کے عین مطابق ہو۔

۴۔ ذاتی رائے - مواد کے اعتبار سے، خیالات، مشاہدات، ذاتی مطالعے پر مبنی ہو۔ اِملے اور قواعد کا خیال رکھا گیا ہو۔

اشتہار نویسی

آج کا زمانہ اشتہارات کا زمانہ ہے۔ اشتہارات ہماری زندگی کا حصہ بن چکے ہیں۔ تجارت کو فروغ دینے اور تجارتی مال کے تعارف اور اس کے لیے اشتہارات بہت ضروری ہیں۔ اخبارات، پوسٹرس، ہورڈنگ، ٹی وی، انٹرنیٹ اور دیگر رابطے کے تکنیکی وسائل اشتہارات کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ اشتہار میں تصویروں، جملوں اور اُن کی مناسب پیش کش کی بہت اہمیت ہوتی ہے۔ (اسکولی سطح پر امتحانی نقطہ نظر سے اس سرگرمی میں تصویر/فوٹو ضروری نہیں ہے)

دلچسپ اشتہار کے لیے یاد رکھیں...

☆ عنوان آسان، دلچسپ، عام فہم اور پُرکشش ہو۔

☆ ہم صوت الفاظ، دلچسپ جملوں اور آفر کا مناسب استعمال ہو۔

☆ اشتہار کے جملے تحریک دینے والے اور اعتماد ظاہر کرنے والے ہوں۔

☆ جاذبِ نظر ترتیب اور تفصیل ہو۔

☆ کمپنی کا نام، پتا، پروڈکٹ کی تفصیل اور پُرکشش آفر واضح ہوں۔

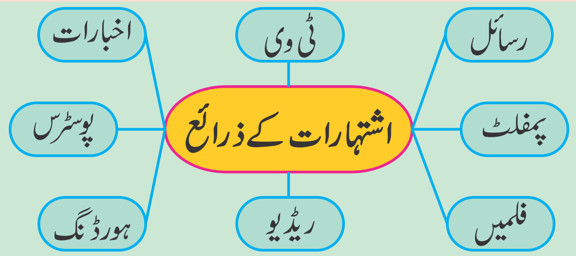

اشتہار کا نمونہ

ریڈی مکس ہربلس

لائے ہیں خاص ماہِ صیام میں

روح میں تازگی لائے
خوشگوار زندگی کا احساس دلائے

سخت گرمی اور پیاس کی شدت میں
تازگی اور ٹھنڈک کا احساس پیدا کرے

تین 3
الگ الگ
ذائقوں میں

شربت صحت افزا

تازہ پھلوں، قدرتی جڑی بوٹیوں سے کشید کیا ہوا
الکحل، مصنوعی رنگ اور مضر اشیا سے پاک

1 لٹر، 2 لٹر اور
5 لٹر پلاسٹک بوتل
اور کین میں

مینوفیکچرر: ریڈی مکس ہربلس، انڈیا
۲/۳، گلشن انڈسٹریل ایریا، سائنا خورد

ڈسٹری بیوٹر: ناز ریمیڈیز
سروے نمبر ۹۱، فارمیسی نگر، سیاہ گاؤں

جانچ کے نکات: اس سرگرمی کے لیے چھ نمبرات مختص ہیں۔ جانچ کرتے وقت اشتہار کی مناسبت سے نکات اور زبان کے استعمال کو مدنظر رکھا جائے۔

خبر نگاری

موجودہ زمانہ عام معلومات میں اضافے کا زمانہ ہے۔خبریں عام معلومات کا بہترین وسیلہ ہیں۔جدید مواصلاتی ٹکنالوجی اور ذرائع ابلاغ ونشریات کی وجہ سے دنیا سمٹ کر ایک گاؤں کی شکل اختیار کرچکی ہے۔دنیا میں کہیں بھی واقع ہونے والے سانحات اور حادثات کی خبریں پل بھر میں دنیا کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک پہنچ جاتی ہیں۔

خبر دراصل واقعے یا حادثے کا حقیقی بیان ہوتا ہے۔خبر کا مقصد معلومات دینا، حالات سے متعلق بیداری پیدا کرنا اور حالات کی حقیقی معلومات بہم پہنچانا ہے۔اس لیے آج خبریں زندگی کا حصہ بن چکی ہیں۔طلبہ میں خبر لکھنے اور بیان کرنے کا طریقہ اور سلیقہ پروان چڑھے،اس لیے'خبر نگاری' کی تحریری مہارت کو نصاب میں شامل کیا گیا ہے۔

خبر نگاری کے لیے یاد رکھیں ...

۱) حادثے یا واقعے کی مکمل اور صحیح معلومات دی جائے۔
۲) دن، تاریخ، وقت، مقام کا تذکرہ کیا جائے۔
۳) حادثے یا واقعے کی اصل حقیقت بیان کی جائے۔
۴) مقامی حالات اور تاثرات کا تذکرہ کیا جائے۔
۵) خبر کو ذاتی خیالات اور جانبداری سے پاک رکھا جائے۔

خبر نگاری کے اہم نکات

۱) سرخی -مکمل خبر کی آئینہ ہوتی ہے اس لیے جلی حرفوں میں سرخی لکھیں۔
۲) ذرائع - خبر دینے والے ذرائع کا تذکرہ کریں۔
۳) بیان - واقعہ یا حادثہ ہونے کے بعد خبر دی جاتی ہے اس لیے خبر میں ماضی کا صیغہ استعمال کریں۔
۴) **تفصیلات** : خبر میں پہلے واقعے یا حادثے کا تذکرہ ہو پھر اس کی تفصیلات ہوں۔

خبر کے نمونے

موتی ہائی اسکول، خیرآباد میں اپنی نوعیت کا منفرد کریئر گائیڈنس پروگرام

مالیگاؤں، یکم جنوری ۲۰۱۸ (نامہ نگار کے ذریعے) : اُمید فاؤنڈیشن کے یومِ تاسیس کے موقع پر قلب شہر میں واقع موتی ہائی اسکول، خیرآباد کے وسیع میدان میں شہر کے اُردو میڈیم طلبہ و طالبات کی تعلیمی اور پیشہ ورانہ رہنمائی کے لیے یک روزہ 'اُمید- کریئر گائیڈنس، لیکچر و نمائش' کا انعقاد کیا گیا جس میں میڈیکل، کامرس، انجینئرنگ اور مقابلہ جاتی امتحانات کے ماہر اساتذہ نے پاور پوائنٹ پریزنٹیشن، چارٹس، ماڈلس اور شارٹ فلموں کے ذریعے طلبہ کی رہنمائی کی۔اختتام پر اپٹی ٹیوڈ ٹسٹ کے ذریعے انفرادی رہنمائی کا بھی اہتمام تھا۔اس مفید اور کارآمد کریئر گائیڈنس تقریب کی صدارت معروف کریئر کاؤنسلر مختار یوسف انصاری نے کی۔ ابتدا میں اسکولی طالبات نے قرأت، حمد، نعت پیش کی۔اُمید فاؤنڈیشن کے جنرل سکریٹری ایم۔علی نے تعارفی واستقبالیہ کلمات پیش کیے اور گل دے کر مہمانان و لیکچررز کا خیر مقدم کیا۔ اسکول کے سپروائزر ریحان ہمدانی نے تفصیل سے اغراض و مقاصد اور اُمید کی کارکردگی وعزائم بیان کیے۔کریئر کاؤنسلر عابد علی نے میڈیکل، پیرامیڈیکل اور فارمیسی کورسیس سے متعلق رہنمائی کی۔ مرتضٰی انصاری نے داخلہ امتحانات NEET، MHCET کے طریقۂ کار، ضروری دستاویز وغیرہ سے متعلق مفید معلومات دی۔ڈاکٹر عقیل شاہ نے IIT، JEE امتحانات کی تیاری پر تفصیلی روشنی ڈالی۔محترم مشتاق عباس نے گورنمنٹ کالجز اور دیگر معیاری کالجز کی نشاندہی کی۔چارٹرڈ اکاؤنٹینٹ یٰسین صاحب (این بی ایسوسی ایسٹ) نے شعبۂ کامرس سے متعلق رہنمائی کی۔ محترمہ نسیم قریشی نے مقابلہ جاتی امتحانات کی مفید معلومات دی۔ موٹیویشنل لیکچرر متین حفیظ نے شہر اور بیرون شہر مختلف شعبۂ حیات میں شہر کے سرگرم نمائندہ افراد کو رول ماڈل کے طور پر اسٹیج پر پیش کیا اور ان کی زندگی کے نشیب و فراز اور تعلیمی سرگرمیوں سے متعلق طلبہ کو معلومات دی۔ صبح نو سے ایک اور دوپہر تین سے چھے تک چلنے والے اس پروگرام کی طلبہ، سرپرست اور اساتذہ نے خوب تعریف کی۔ تفصیلی پروگرام کی نظامت بالترتیب کاشف ارسلان اور سعد انجم نے کی۔ مصعب عمیر کے شکریے پر پروگرام کا اختتام ہوا۔

جانچ کے نکات: خبر کی سرخی جو کہ خبر کا نچوڑ ہوتی ہے، واقعہ کب ہوا، کہاں ہوا، کیوں ہوا اور کیسے ہوا، تسلسل، خبر کے اہم نکات کی وضاحت۔

کہانی نویسی / واقعہ نگاری

کہانی یا واقعہ تسلسل سے بیان کرنا مہارت کا کام ہوتا ہے۔عموماً اس کے لیے نکات، اشارے یا تصاویر دی جاتی ہیں جن کی مدد سے کہانی یا واقعے کو بیان کیا جاتا ہے۔کہانی نویسی یا واقعہ نگاری میں مشاہدہ، تخیل اور خیالات کو بہت اہمیت حاصل ہوتی ہے۔

کہانی یا واقعہ لکھتے وقت 'مرکزی خیال' کے ساتھ درج ذیل باتوں کا خاص خیال رکھیں۔

۱) کہانی / واقعہ لکھنے کے لیے موضوع کا انتخاب

۲) موضوع کے مرکزی خیال کی مناسبت سے کردار یا کرداروں کا تعین

۳) واقعے اور کردار کا تعلق

۴) اس تعلق کے اثر سے واقعے / ماجرے کی تشکیل

۵) واقعے / ماجرے کے واقعاتی اجزا میں ربط

۶) واقعے / ماجرے کے بیان میں مناسب زبان کا استعمال

۷) واقعے کا متاثر کن نتیجہ

۸) واقعے / کہانی کے لیے موضوع سے مناسبت رکھنے والا عنوان

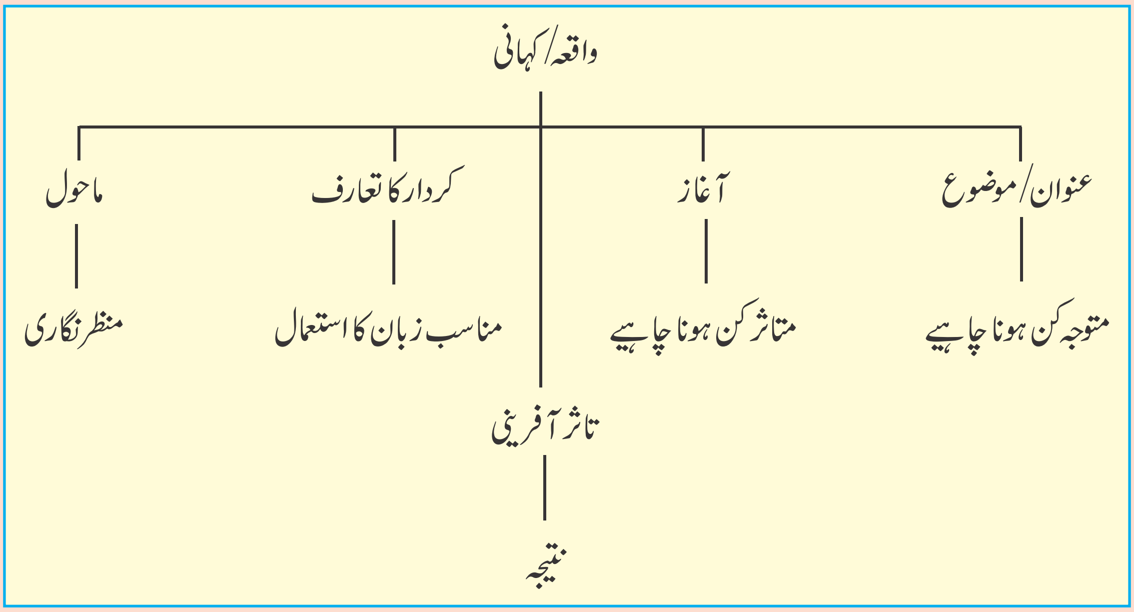

جانچ کے نکات: اس سرگرمی کے لیے چھے نمبرات مختص ہیں۔ جانچ کے لیے مناسب عنوان، مرکزی خیال، مؤثر اندازِ بیان، خیالات میں ربط، کردار سے متعلق مکالمے، علاماتِ اوقاف کا استعمال، زبان کی صحت، نتیجہ وغیرہ نکات کو مدنظر رکھتے ہوئے نمبرات دیے جائیں۔

مضمون نویسی

کسی عنوان کے تحت اپنے خیالات کو تسلسل اور ربط سے نثر میں تحریر کرنا مضمون نویسی کہلاتا ہے۔

مضمون کے تین اہم حصے ہیں: (الف) تمہید (ب) نفسِ مضمون (مثبت نکات/منفی نکات) (ج) اختتام

تمہید : تمہیدی جملے عنوان سے متعلق مختصر اور دلچسپ ہوں یعنی تمہیدی پیراگراف ایسا ہو کہ قاری پورا مضمون پڑھنے پر مجبور ہو جائے۔

نفسِ مضمون : عنوان سے متعلق ذاتی خیالات، مشاہدات، تجربات، عام معلومات، اقوال، اشعار کو سلسلہ وار تحریر کیا جائے۔ اس میں مثبت اور منفی دونوں نکات شامل کیے جائیں تو نفسِ مضمون جامع اور مدلل ہوگا۔

اختتام : اختتامی پیراگراف میں مضمون کا نچوڑ ہوتا ہے۔ اختتام پُر لطف، جامع اور نتیجہ خیز ہونا چاہیے تاکہ قاری پر اس کا اثر دیر پا رہے۔

مضمون نویسی کے لیے اہم

- عمدہ و معیاری زبان
- بہترین خیالات
- مطالعہ
- مشاہدہ
- غور و فکر
- ذخیرۂ الفاظ
- تاثرات

(نوٹ : اس حصے میں ذاتی خیالات پر مبنی مضمون، آپ بیتی، تصوراتی و تخیلاتی مضامین شامل ہیں۔)

جانچ کے نکات : موضوع سے متعلق مناسب تمہید، نفسِ مضمون (موضوع کی ضرورت کے لحاظ سے مثبت و منفی نکات)، جامعیت، دلائل، نتیجہ۔

اضافی معلومات

مکالمہ نگاری

دو یا دو سے زائد افراد کے درمیان ہونے والی گفتگو کو 'مکالمہ' کہتے ہیں۔ مکالمہ لکھنا گفتگو کرنے سے مختلف ہوتا ہے۔ گفتگو کے دوران سامع ہمارے سامنے ہوتا ہے۔ آواز کے اُتار چڑھاؤ اور اندازِ بیان سے بہت ساری باتیں سمجھ میں آجاتی ہیں لیکن مکالمہ تحریر کرتے وقت ہم ایسا نہیں کرسکتے۔ اس لیے مکالمہ لکھتے وقت مناسب علاماتِ اوقاف اور قوس کی مدد سے بہت ساری باتیں پیش کرتے ہیں۔

مکالمہ لکھتے وقت یاد رکھیں...

۱) موضوع اور محل کا خاص خیال رکھیں۔

۲) کردار کی مناسبت سے مکالمے کی زبان و بیان لکھیں۔

۳) مناسب علاماتِ اوقاف سے تاثرات کا اظہار کریں۔

۴) مکالمے کے زمانی و مکانی پس منظر کو ذہن میں رکھیں۔

۵) مکالمے زمانۂ حال میں لکھیں۔

۶) مکالمے غیر رسمی، آسان اور دلچسپ ہوں۔ صرف ہاں یا نہیں میں نہ ہوں۔

مکالمہ نگاری کا مقصد تخلیقی صلاحیت کو پروان چڑھانا ہے۔ اس لیے ان باتوں کا دھیان رکھیں...

- دیے ہوئے موضوع یا نکات کے مطابق مکالمہ بامقصد ہو۔
- املا، جملہ درست ہو۔
- مناسب آغاز و اختتام ہو۔

دادا اور پوتے کے مابین مکالمہ

(**نکات :** گزشتہ دس دنوں سے دادا گاؤں سے پونہ آئے ہوئے ہیں۔ مطالعے کے لیے اُردو اخبار نہ ملنے کی وجہ سے پریشان ہیں۔ انٹرنیٹ پر اخبار پڑھنے سے متعلق مکالمہ۔)

دادا جان : پونہ آئے ہوئے دس دن ہو چکے ہیں۔ اب مجھے گاؤں واپس جانا چاہیے۔

پوتا : دادا جان! اب آپ کو یہیں رہنا ہے۔ آپ کیوں جانا چاہتے ہیں؟

دادا جان : تم اسکول چلے جاتے ہو اور تمھارے والد آفس۔ میں اکیلا بور ہوتا ہوں۔ پھر یہاں اُردو اخبار بھی نہیں ملتے۔ وقت گزاری کیسے کروں؟

پوتا : اوہ! آپ کو اُردو اخبار چاہیے۔ابھی انتظام کرتا ہوں۔

داداجان : بیٹا! یہاں کہاں ملے گا اخبار؟ کیوں پریشان ہوتے ہو؟

پوتا : دادا جان! یہ انٹرنیٹ کا زمانہ ہے۔نیٹ پر تمام زبانوں کے اخبار دستیاب ہوتے ہیں۔آپ کمپیوٹر پر گھر بیٹھے تمام اخبارات پڑھ سکتے ہیں۔

داداجان : وہ کیسے بیٹا؟

پوتا : یہ دیکھیے۔میں نے نیٹ شروع کیا۔یہ رہا گوگل سرچ۔اب آپ اخبار کا نام بتائیے۔

داداجان : بیداری۔

پوتا : یہ میں نے ٹائپ کیا 'بیداری'۔یہ رہے اِس اخبار کے تمام لنکس۔اب میں 'بیداری' کی ویب سائٹ کی لنک پر کلک کرتا ہوں۔

داداجان : واہ! یہ تو آج کا ہی اخبار ہے۔اب میں آسانی سے پڑھ سکوں گا۔

پوتا : دادا جان! آپ اس سرچ انجن پر اخبار کا نام ٹائپ کر کے آسانی سے تمام اخبار پڑھ سکیں گے۔

داداجان : واہ! واقعی کمپیوٹر، انٹرنیٹ آج کے زمانے کی ضروری چیزیں ہیں۔

دعوت نامہ

دعوت نامہ کسی موقع کی مناسبت سے تیار کیا جاتا ہے مثلاً اسکول کا کوئی پروگرام، گھریلو پروگرام، سالگرہ، شادی، کانفرنس، سیمینار، مشاعرے وغیرہ کے لیے۔ دعوت نامے میں پروگرام میں شرکت کے لیے کسی کو مدعو کیا جاتا ہے۔

دعوت نامے میں درج ذیل باتوں کا خاص خیال رکھیں۔

۱) تقریب کا مناسب عنوان، کب؟ کہاں؟ کس لیے؟
۲) مدعوین کے ناموں کی فہرست، عہدے کے لحاظ سے
۳) تقریب کی جھلکیاں
۴) شرکت کی درخواست
۵) داعی کا نام، عہدہ وغیرہ

پانچواں عظیم الشان

بین المدارس بیت بازی

محترم ....صاحب

السلام علیکم !

جنابِ عالی

علامہ اقبالؒ کے یومِ پیدائش (۹ر نومبر) کی مناسبت سے **ڈاکٹر سلمان فارسی رحمانی گرلز ہائی اسکول، سلیم آباد** میں گزشتہ چار برسوں سے بیت بازی کا انعقاد ہوتا آ رہا ہے جس میں شہر کے مختلف اسکولوں کے طلبہ اور طالبات حصہ لیتے ہیں۔

اِمسال بھی سلسلہ نمبر ۵ کی تقریب بصراحتِ ذیل منعقد کی جارہی ہے۔

صدارت

محترم ایم۔ آئی۔ قاضی صاحب (ماہرِ تعلیم)

افتتاح بدست

محترم زیڈ۔ آئی زری والا صاحب (ریسرچ اسکالر)

بروز جمعرات، ۹ر نومبر ۲۰۱۷ء
صبح نو بجے تا اختتام

مہمانانِ خصوصی

محترم ایس۔ اے واسع صاحب (سبکدوش صدر مدرّس)
محترمہ فاطمہ شیخ صاحبہ (نمائندہ سرپرست اساتذہ تنظیم)
محترم اختر علی قاضی صاحب (جرنلسٹ)
محترمہ خان شائستہ تسلیم صاحبہ (محبِّ تعلیمِ نسواں)

جھلکیاں

حرف راؤنڈ — الفاظ راؤنڈ — مصرع راؤنڈ
شاعر راؤنڈ — صنعت راؤنڈ — تصویر راؤنڈ
رفتار راؤنڈ

اُردو زبان و ادب کی ترویج و اشاعت، بچوں میں شعری ذوق کو پروان چڑھانے اور شریکِ مقابلہ بچوں کی حوصلہ افزائی کے لیے آپ کی آمد باعثِ مسرت ہوگی۔

بمقام: ڈاکٹر سلمان فارسی آڈیٹوریم،
آئی ڈی بی گراؤنڈ، سلیم آباد

الدّاعیان

ہیڈ مسٹریس — بزمِ ادب، اسکول ہٰذا — چیئرمین، اسکول انتظامیہ کمیٹی

روداد نویسی

روداد میں کسی سفر، تقریب، جلسے یا واقعے کی تفصیلات کو سلسلہ وار تحریر کیا جاتا ہے۔ طلبہ اسکول اور اسکول سے باہر مختلف تعلیمی، تہذیبی، ثقافتی، سماجی اور مذہبی تقریبات میں شریک ہوتے ہیں، کارروائی میں حصہ لیتے ہیں اور مشاہدہ کرتے ہیں۔ مشاہدات کے سلسلہ وار تحریر کرنے کی صلاحیت کو مستحکم کرنے کے لیے 'روداد نویسی' کی معلومات اور نمونہ دیا جارہا ہے۔

روداد تحریر کرتے وقت یاد رکھیں...

۱) سب سے پہلے مناسب عنوان دیں۔

۲) مقام، دن، تاریخ، وقت کا تذکرہ کریں۔

۳) تسلسل کے ساتھ آسان اور مختصر جملوں میں روداد بیان کریں۔

۴) ذاتی خیالات کو شامل نہ کریں۔

۵) روداد کا بیان زمانۂ ماضی میں کریں۔

۶) مناسب اختتام کریں۔

ذیل میں دیے ہوئے دعوت نامے کی مدد سے روداد تحریر کیجیے۔

کریسینٹ اُردو ہائی اسکول، دیانہ

الحمدللہ! شعبۂ اُردو کی 'بزمِ ادب' کی جانب سے 'بین الاقوامی یومِ مادری زبان' کے موقع پر

'اُردو ہے جس کا نام...'

کے عنوان سے بحث و تمحیص کی ایک تقریب کا انعقاد بصراحتِ ذیل کیا جارہا ہے۔

صدارت

محترم محمد یوسف انصاری صاحب (ادیب الاطفال)

کلیدی خطاب

محترم ڈاکٹر افتخار حسن صاحب (مدیر، رسالہ سپیاں)

زینتِ اسٹیج

محترمہ عطیہ بیگم صاحبہ (پرنسپل) | محترم اکبر رحمانی صاحب (صحافی)

بروز بدھ، ۲۱/فروری ۲۰۱۸ء بوقت صبح دس بجے بمقام اسمبلی ہال، کریسینٹ ایجوکیشنل کیمپس، دیانہ

الداعیان

مسز قمر النساء سیّد (صدر شعبۂ اُردو) | مس ریحانہ ظہیر (کنوینر)

روداد :

کریسینٹ اُردو ہائی اسکول میں ’یومِ مادری زبان‘

دیانہ، ۲۱رفروری (بذریعہ مراسلہ) : شہر کے مضافات میں واقع اُردو زبان کی مشہور درسگاہ کریسینٹ اُردو ہائی اسکول میں ’بین الاقوامی یومِ مادری زبان‘ کے موقع پر اسکول ہٰذا کے شعبۂ اُردو کی جانب سے ’اُردو ہے جس کا نام ...‘ تقریب کا انعقاد کیمپس کے اسمبلی ہال میں کیا گیا۔ صدارت کے فرائض ادیب الاطفال محمد یوسف انصاری نے انجام دیے۔ آغاز حسبِ روایت تلاوتِ کلام مجید سے ہوا۔ اسکول کی طالبات نے مترنم آواز میں حمد اور نعت کا نذرانہ پیش کیا۔ ساز اور آواز کے ساتھ طلبہ و طالبات نے استقبالیہ گیت اور ترانۂ اُردو سے سامعین کا دل جیت لیا۔ مہمانوں نے تالیوں اور نقد انعامات دے کر حوصلہ افزائی کی۔ صدر، شعبۂ اُردو قمر النساء سیّد نے تعارفی اور استقبالیہ کلمات کے ساتھ اغراض و مقاصد پیش کیے۔ مجلسِ انتظامیہ کے ذمہ داران نے گل پیش کر کے مہمانان کا خیر مقدم کیا۔ بزمِ ادب سے منسلک طلبہ نے مکالمہ، گیت، تقریر پیش کیے۔ طالبات نے ٹیبلو پیش کیا۔ مقررِ خصوصی ڈاکٹر افتخار حسن نے کلیدی خطاب میں اُردو زبان کی اہمیت و افادیت کے ساتھ اس کی تاریخ بیان کی۔ دورانِ خطاب شعری و نثری جواہر پارے سنائے۔ مہمان صحافی اکبر رحمانی نے پروگرام کے انعقاد پر مبارکباد پیش کی۔ پرنسپل عطیہ بیگم نے شعبۂ اُردو کی کارکردگی اور سرگرمیوں پر اظہارِ خیال کیا اور طلبہ اور طالبات کی سرگرمیوں کو سراہا۔ صدر تقریب محمد یوسف انصاری نے اپنی تقریر میں بچوں کو مطالعے کی تلقین کی۔ کتابوں کا حاصلِ مطالعہ تحریر کرنے سے متعلق رہنمائی کی اور کہا کہ ہر طالب علم ذاتی ڈائری تیار کرے۔ اس ادبی پروگرام کی نظامت تقریب کی کنوینر مس ریحانہ ظہیر نے کی۔ آپ ہی کے اظہارِ تشکر پر تقریب کا اختتام ہوا۔

انٹرویو (مصاحبہ)

علمی، ادبی، تعلیمی، سماجی، سیاسی شعبوں میں یا روزمرہ زندگی میں نمایاں کارکردگی کا مظاہرہ کرنے والی شخصیات کے کارنامے/ تجربات/ معلومات کو عام لوگوں تک پہنچانے کا انٹرویو بہترین وسیلہ ہے۔

انٹرویو لینا، انٹرویو دینا، انٹرویو کا مطالعہ کرنا، انٹرویو سننا اچھا لگتا ہے۔ طلبہ میں گفتگو کرنے اور بات چیت کو تحریر کرنے کی تخلیقی صلاحیت کو پروان چڑھانے کے لیے انٹرویو کی معلومات دی جا رہی ہے۔

انٹرویو کے دو حصے
- سوالنامہ کی تیاری
- انفرادی گفتگو/ ملاقات

ملاقات سے قبل طے کریں
- سابقہ معلومات
- ملاقات کا مقصد
- ملاقات کا موضوع

ملاقات کے لیے اہم نکات
- اختصار سے کام لیں۔
- مناسب الفاظ کا استعمال کریں۔
- گفتگو میں تصنع سے پرہیز کریں۔
- آسان زبان میں بات چیت کریں۔
- مخاطب کا ادب واحترام ملحوظ رکھیں۔

انٹرویو کا نمونہ

نشے کی لعنت سماج اور معاشرے کو کھوکھلا کر رہی ہے۔ نوجوان اور طلبہ بھی انجانے میں تمباکو نوشی، سگریٹ نوشی کرنے لگے ہیں۔ آہستہ آہستہ یہ لعنت انھیں نشے میں مبتلا کر دیتی ہے۔ اس لعنت کو ختم کرنے کے لیے نوجوانوں نے 'نشے سے پاک شہر' مہم شروع کی۔ اس ضمن میں ایک طالب علم کا مہم کے کنوینر سے انٹرویو۔)

نئے سال کے موقع پر 'مہاراشٹر- نشے سے پاک' اس عزم وارادے کے ساتھ نوجوان میدانِ عمل میں متحرک ہو چکے ہیں۔ عوامی بیداری اور لوگوں میں نشے سے متعلق معلومات پہنچانے کے لیے ہم نے مہم کے کنوینر ڈاکٹر خلیق نیازی سے ملاقات کی۔ ان سے لیے گئے انٹرویو کے چند اقتباسات ملاحظہ فرمائیے۔

ملاقاتی : السلام علیکم، ڈاکٹر صاحب۔ 'نشے سے پاک شہر مہم' شروع کرنے کے مقصد پر روشنی ڈالیے۔

ڈاکٹر : ۲۵/ سالہ میڈیکل پریکٹس کے دوران بہت سارے سرپرست اور نوجوان مطب میں آتے رہے ہیں لیکن گزشتہ چند سالوں سے تمباکو نوشی خاص طور پر گٹکا کھانے کی وجہ سے منہ کی مختلف بیماریوں میں مبتلا مریضوں کی تعداد بڑھ گئی ہے۔ کم عمری ہی میں اس طرح کی بیماری میں مبتلا مریضوں کو دیکھ کر میں بے چین ہو جاتا تھا۔ اس لیے میں نے کالج کے طلبہ کی مدد سے اس مہم کو شروع کیا ہے۔

ملاقاتی : آج گلی گلی، چوک چوراہے اور نکڑ پر گٹکا، تمبا کو فروخت ہو رہا ہے۔ کیا آپ کو یقین ہے کہ ہم کامیاب ہوں گے؟

ڈاکٹر : اُمید پر دنیا قائم ہے۔ ہم نے نوجوانوں کو اکٹھا کیا ہے۔ نکڑ ناٹک، شارٹ فلم، پوسٹرس وغیرہ کے ذریعے لوگوں کو بتائیں گے کہ اس کے کیا نقصانات ہیں۔ جو لوگ اس بیماری میں مبتلا ہیں ان کی اجازت سے ان کے فوٹو اور ویڈیوز لوگوں کو دِکھائیں گے تاکہ لوگ محتاط ہو جائیں۔

ملاقاتی : یعنی آپ خوف پیدا کرنا چاہتے ہیں؟

ڈاکٹر : نہیں! بالکل نہیں! ہم صرف اس کے مضر اثرات سے لوگوں کو آگاہ کرنا چاہتے ہیں۔

ملاقاتی : ڈاکٹر صاحب! میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ لوگ اس بری لت کا شکار کیسے ہو جاتے ہیں؟

ڈاکٹر : اچھا سوال ہے۔ اس کی بہت ساری وجوہات ہو سکتی ہیں۔ کچھ لوگ والدین اور دوستوں کو ایسی چیزیں استعمال کرتے ہوئے دیکھتے ہیں تو وہ انھیں شوقیہ استعمال کرنے لگتے ہیں۔ آہستہ آہستہ شوق عادت اور عادت ضرورت بن جاتی ہے۔ کچھ لوگ مایوسی، ذہنی تناؤ میں اس کا استعمال کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اس سے راحت ملتی ہے۔ افسوس! غریب اور مزدور پیشہ افراد اس کا زیادہ استعمال کرتے ہیں۔

ملاقاتی : اس لعنت کے شکار لوگوں کی صحبت اور برتاؤ پر کیا اثر ہوتا ہے؟

ڈاکٹر : نشے کے عادی افراد اس کے بغیر نہیں رہ پاتے۔ ان کی نیند کم ہو جاتی ہے۔ ہاتھ پاؤں میں کپکپاہٹ آتی ہے۔ منہ میں چھالے آجاتے ہیں۔ منہ کھلنا کم ہو جاتا ہے۔ یہ تو ظاہری اثرات ہیں۔ جسم کا اندرونی حصہ بھی آہستہ آہستہ کھوکھلا ہوتا جاتا ہے۔ ان سب کے علاوہ اس کے سماجی اور اخلاقی برتاؤ میں بھی منفی تبدیلیاں آنے لگتی ہیں۔

ملاقاتی : اتنے مضر اثرات کے بعد بھی لوگ اس لعنت کا شکار ہو رہے ہیں؟ آپ سماج، شہر اور خاص طور پر طلبہ سے کیا چاہتے ہیں؟

ڈاکٹر : طلبہ ہی ہمارے لیے اُمید کی کرن ہیں۔ وہ کالج، اسکول کیمپس کے اطراف ایسی چیزوں کو فروخت نہ ہونے دیں۔ اس کے شکار طلبہ کی ذہن سازی کریں۔ 'نشے سے پاک شہر' مہم میں شریک ہو کر بیداری پیدا کریں۔

ملاقاتی : بہت بہت شکریہ ڈاکٹر صاحب۔ آپ نے ایک اہم موضوع پر گفتگو کی۔ بیداری کے لیے پہل کی۔ ہم طلبہ آپ کے ساتھ ہیں۔

ڈاکٹر : بہت شکریہ۔

غیر درسی اقتباس پر مبنی مشقی سرگرمی

غیر درسی اقتباس کا مطالعہ کر کے دی ہوئی سرگرمیوں کو مکمل کیجیے۔

۱۔ دیے ہوئے الفاظ سے متعلق اقتباس سے مکمل جملہ لکھیے۔

۱۔ جرأت	
۲۔ رواداری	
۳۔ ڈسپلن	
۴۔ اختلافات	

جب انصاف، محنت، سادگی اور کفایت شعاری کی بنیادوں پر قومی زندگی کی عمارت کھڑی ہو جائے تو اس میں قوت، حسن و خوبی اور نظم و ترتیب پیدا کرنے کے لیے قوم کے افراد میں تین صفات کی ضرورت ہوتی ہے؛ جرأت، رواداری اور ڈسپلن۔

جرأت زندگی کی علامت ہے۔ اس کی بدولت قوم میں حوصلہ اور مشکلات کو جھیلنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔ برخلاف اس کے خوف جو جرأت کی ضد ہے، زندگی کے پر قینچ کر دیتا ہے۔ دوسری صفت رواداری ہے جس کے بغیر انفرادیت کی تکمیل ناممکن ہے اور قومی زندگی میں تنوّع کی شان پیدا نہیں ہو سکتی۔ خدا کی دنیا میں یکسانیت نہیں اور اختلافات انسانی فطرت کا جز ہیں۔ اگر کسی قوم میں رواداری کا جذبہ نہ ہو تو یہ اختلافات مخالفت کی شکل اختیار کر لیتے ہیں اور ہر گروہ دوسروں پر زبردستی ایک خاص قسم کی یکسانیت عائد کرنا چاہتا ہے جو ترقی کے راستے میں ایک بڑی رکاوٹ ہے۔ ڈسپلن اس لیے ضروری ہے کہ اس کے بغیر کوئی کام نظم و ترتیب اور خوش اسلوبی کے ساتھ نہیں ہو سکتا اور افراد اور جماعتوں میں خواہ مخواہ رسہ کشی ہوتی رہتی ہے جس میں ان کی قوت ضائع ہوتی ہے لیکن اصل ڈسپلن وہ ہے جو کوئی بیرونی طاقت یا کوئی جابر حاکم قوم پر باہر سے عائد نہ کرے بلکہ وہ آزادی کی فضا میں خوش دلی کے ساتھ کام کرنے اور اتحادِ مقاصد کا نتیجہ ہو۔

۲۔ ’’خدا کی دنیا میں یکسانیت نہیں۔‘‘ اس بیان کی استحسانی وضاحت اپنے الفاظ میں کیجیے۔ (2)

۳۔ (الف) اقتباس سے اسم جمع کے دو الفاظ تلاش کر کے واحد جمع کی صورت میں لکھیے۔ (1)

(ب) اقتباس سے واوِ عطف کی دو مثالیں تلاش کر کے لکھیے۔ (1)

۴۔ انفرادی زندگی میں ڈسپلن کی اہمیت سے متعلق اپنے خیالات لکھیے۔ (2)

مہاراشٹر راجیہ پاٹھیہ پستک نرمتی وابھیاس کرم سنشودھن منڈل، پونہ

उर्दू कुमारभारती इयत्ता दहावी (उर्दू माध्यम) ₹ 73.00